إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ
"سالنامہ ہٰذا للطیف حضرت قطب ویلور"
۲۰۱۷ء
علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی
سالنامہ
اللطیف
ویلور
دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"سالنامہ ہندا للطیف حضرت قطبِ ویلور"

۲۰ ــــ ء ــــ ۱۷

اللطیف ویلور

بیادگار

شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی

ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور۔

مولانا مولوی

ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ میراں پاشاہ

مدیر موسس

حضرت اقدس مولانا مولوی

ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجراء: ۱۰؍شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ م 7؍مئی 2017ء بروز اتوار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین سالنامۂ اللطیف ویلور ۱۴۳۸ھ مطابق 2017ء

منظومات

مناجات قربیؒ

پیش کش:

سید شاہ محمد طاہر قادری

سجادہ نشین خانقاہِ حضرت قطبِ ویلور

قدوۃ السالکین حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی علیہ الرحمہ (۱۱۱۸ھ ۱۱۸۲ھ) نے اپنی زندگی میں اپنا دیوان ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۴۰ء میں مرتب کیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۳۴ سال تھی۔
آپ کے دیوان میں پہلے حمد ہے پھر نعت ہے۔ اسکے بعد ۸۸ غزلیات ہیں، ابیات تقریباً ۱۹۷۶ ہیں۔ دیوان مناجات اور دعا پر اختتام پذیر ہے۔ حضرت قربیؒ کا کلام آپ کے دیوان سے ترتیب وار ناظرین اللطیف کی خدمت میں پیش ہے۔

جب جھب سوں باغ میں او سردِ سمن بر آیا — خدمت میں اس کے برپا ہونے صنوبر آیا
عشاق کی مژہ سوں لہو بیٹنے کے خاطر — مہ کی مژہ کا ہر موہو تیز نشتر آیا
تیری گلی سے بہتر کعبہ سوں اے مہ من — تیری گلی میں یو دل ہونے مجاور آیا
عاشق اپے ہوا او کرنے کوں عشق بازی — معشوق آپ ہو کر با وجہ انور آیا
ذرات میں جہاں کے وجہٗ لطیف دکھلا — عاشق کی دلبری میں ہوکر دلاور آیا
ہر ذرہ عین اس کا اور غیر بی ہے اس کا — حیرت میں دال سبکو ہو سب سوں برتر آیا
یک حرف تھا الف سوں ہوکر تمام حرفاں — ہو لفظ اور عبارت صد لک ہو دفتر آیا
صورت وہی وہی جسم معنی وہی جساں — ہر شے سے ہو مصور اونا مصور آیا
ابلیس اپی ہوا او گمراہ اس کوں کرتے — آدم اپیچہ ہو کر اس کون رہبر آیا
وہ اسمِ ذاتِ مطلق حق ہادی و مقل ہیں — ہر اسم کا اپس کے ہو آپ مظہر آیا

سنجہ گوش کے صدف میں اس کاچ جائے کرنے
قربی کے بحر دل سوں غلطاں ہو گوہر آیا

رباعیات امجدؔ

حضرت امجدؔ حیدر آبادی

حضرت امجدؔ حیدر آبادی علیہ الرحمہ رباعیات کی دنیا میں اپنی ایک مستقل اور جداگانہ شناخت رکھتے ہیں ان کی رباعیات میں تصوف کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ حضرت صوفی منش امجد کے کلام کو حرز جان سمجھتے ہیں۔ اہل دل حضرات کی خدمت میں رباعیات امجد حصہ اول مطبوعہ ۱۳۸۸ھ کے نسخہ سے پانچ رباعیات پیش ہیں۔

لا تقنطو من رحمة الله — اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو

بیکس ہوں نہ مال ہے نہ سرمایا ہے
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لایا ہے
یارب تیری رحمت کے بھروسے امجدؔ
بند آنکھ کئے یوں ہی چلا آیا ہے

الله معكم اينما كنتم — تم جہاں کہیں رہو خدائے تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے

یا جلوۂ ذات ہے شعاعِ خورشید
یا نقشِ صفات ہے شعاعِ خورشید
ہر حال میں ہے شانِ معیت ثابت
خورشید کے ساتھ ہے شعاعِ خورشید

نشان بے نشاں

حسنِ مطلق مقید طور نہیں
خورشید کا عالم میں کہاں نور نہیں
مخلوق سے کچھ الگ نہیں ہے خالق
معنی کا وجود لفظ سے دور نہیں

نورٌ علیٰ نور

دریائے محبت ہے سفینہ میرا
ہے حسن کی خاتم پہ نگینہ میرا
روشن ہے چراغِ عشق سے کعبۂ دل
معمور ہے نور سے مدینہ میرا

روئداد دارالعلوم لطیفیہ

الشریعة اقوالی و الطریقة افعالی و الحقیقة احوالی و المعرفة اسراری ۔فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شریعت میرے اقوال ہیں طریقت میرے افعال ہیں اور حقیقت میرے احوال ہیں اور معرفت میرے اسرار ہیں۔

حدیث مذکورہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شریعت و طریقت حقیقت و معرفت سب ایک حقیقت کے مختلف رخ ہیں جو سب کے سب اصول شریعت ہی کا نام ہے۔حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ''بنائے طریقت بر کتاب و سنت است و ہر چہ مخالف کتاب وسنت مردود و باطل است''یعنی ہمارے طریقت کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول صلعم پر ہے جو بھی اس کے مخالف ہے وہ مردود و باطل ہے۔

ایک صوفی جو خدا تک پہنچنا چاہتا ہو تو کیسے ممکن ہے کہ شریعت مطہرہ کا دامن چھوڑ دے اور خدا تک پہنچ جائے غور فرمایئے؟ کہ انسان کی فضیلت حیوانات پر اسلئے ہے کہ وہ عقل مرشد و فکر ہادی سے نوازا گیا ہے۔اگر اس کے باوجود وہ آداب و احکام الٰہی سے غافل ہو جائے تو وہ زمرہ انسانیت سے خارج کر دینے کا مستحق ہے۔

ہمیشہ سے دارالعلوم علم شریعت کے ساتھ حقیقت و معرفت کے علم سے طلباء کو مزین کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

آغازِ سال: ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آنے والے طلبۃ العلوم کا داخلہ ۷ا رماہ جولائی ۲۰۱۷ء سے شروع ہوا۔

دورۂ حدیث: بخاری شریف و مسلم شریف کے دورۂ حدیث کا آغاز بدست عالیجناب ڈاکٹر مولانا سید شاہ عثمان شاہ قادری صاحب ناظم دارالعلوم کی دعاؤں سے مورخہ ۲۸ جولائی سے شروع ہوا اور بحمد اللہ ۶ ر رجب المرجب ۱۴۳۸ھ بروز دوشنبہ ناظم موصوف کی دعاؤں سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔

افتتاحی اجلاس: انجمن دائرة المعارف کا افتتاحی جلسہ مورخہ ۲۴ر ماہ اپریل ۲۰۱۶ء بعد نمازِ ظہر دارالعلوم لطیفیہ کے وسیع ہال میں منعقد ہوا۔جس کی صدارت عالیجناب ڈاکٹر سید شاہ عثمان شاہ قادری، ناظم دارالعلوم نے کی۔جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن شریف و نعت شریف کے ساتھ ہوا۔اس کے بعد مہمان خصوصی کی حیثیت سے عالی جناب

مولانا مولوی سید نیاز احمد جمالی، ناظم جمالیہ عربک کالج مدراس نے طلباء سے خطاب فرمایا جسمیں موصوف نے علم کی اہمیت اور استادوں کے آداب کے بارے میں سیر حاصل بحث فرمایا۔ نیز ایک اور مہمانِ خصوصی مدراس یونیورسٹی کے پروفیسر عالیجناب قاضی حبیب اللہ صاحب نے طلباء سے بصیرت افروز خطاب فرمایا۔

نوید مسرت: امسال بحمد اللہ تروویلور یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء ادیب فاضل میں طلباء شریک رہے اور کامیابی حاصل کی۔

امتحانات: مورخہ ۲۴ر ڈسمبر ۲۰۱۶ء ششماہی امتحانات اساتذہ کرام کی نگرانی میں چلے مسلسل ۶ر دنوں تک یہ امتحانات جاری رہے۔ نیز ۲۵ر رجب المرجب ۱۴۳۸ھ سے سالانہ امتحانات شروع ہوئے اور مورخہ ۳۰ر رجب المرجب تک جاری رہے۔

عبا پوشی وعطائے اسناد: فضیلت مآب عالیجناب مولانا سید شاہ عثمان شاہ قادری ناظم دار العلوم لطیفیہ کی زیر صدارت مورخہ ۱۰ر شعبان المعظم روز یکشنبہ دار العلوم کا سالانہ اجلاس بڑے پیمانے پر منعقد ہوا۔ جسمیں مقامی و بیرونی علمائے کرام علم دوست حضرات کثیر تعداد میں مدعو تھے اور ناظم موصوف نے اپنے دست فیض اقدس سے طلباء میں عبا و اسناد عطا فرمایا۔

ہدیہ تشکر: ادارہ ان تمام مخلصین دار العلوم کا مشکور ہے خصوصیت کے ساتھ مدیران اخبارات کا جنہوں نے اپنے موخر جریدوں میں اولین وقت میں دار العلوم کی تمام کاروائیوں کو شائع فرمایا۔ اللہ رب العزت سے دست بادعا ہیں کہ تمام علم دوست حضرات اور دار العلوم سے عقیدت رکھنے والوں کو دنیا و آخرت میں سرخروئی عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ اجمعین۔

افتتاحیہ

ادارہ

ہندوستان جنت نشان کو یہ شرف اوراعزاز حاصل ہے کہ اس کی زمین کے خطۂ ماضی سراندیب پر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوا، پھر انہوں نے جزیرۃ العرب کی سرزمین حجاز کا رخ کیا جہاں حضرت حوا علیہ السلام سے ملے، دونوں نے ازدواجی زندگی کی شروعات کی اور آدم کی اولاد کا سلسلہ جاری وساری ہوگیا اور وہ روئے زمین پر پھیلتی چلی گئی اور مختلف قبیلوں، خاندانوں، ذاتوں اور برادریوں میں منقسم ہوتی چلی گئی اور ان کے درمیان مختلف اور متعدد زبانیں، تہذیبیں، سقافتیں، رسمیں، عقیدے، نظریے اور مذاہب وادیان وجود میں آنے لگے اور مختلف خطوں اور علاقوں پر ان کی حکومتیں، سلطنتیں اور مملکتیں وجود میں آتی چلی گئیں۔ اگر کوئی انسانی زندگی کی مختلف ومتعدد اور متضاد جہتوں اور سمتوں کو ایک ہی خطۂ زمین پر دیکھنا چاہے تو وہ صرف ہند کی سرزمین ہے، اس کے علاوہ دنیا کے کسی علاقے میں یہ حسین وجمیل امتزاج اور اختلاط دیکھنے کو نہیں ملتا، یہ کسی شاعر کا تخیل یا کسی ادیب کی ادب آفرینی نہیں ہے بلکہ ایک زمینی حقیقت ہے جس کا مشاہدہ آج بھی ہر کس وناکس کررہا ہے۔ کرشمہ دامن دل می کشد ایں جا است

ہمارے ملک ہندوستان کی سرزمین پر صدیوں سے انسانوں کے مختلف طبقات اور گروہ زندگی بسر کرتے آرہے ہیں، اور آج بھی یہاں ایسی مختلف ذاتیں اور جماعتیں اور قبائل زندگی بسر کررہے ہیں، جن کے مذاہب، عقائد، مراسم، اعمال، افکار، زبانیں، تہذیبیں، ثقافتیں اور عادتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور یہ بھی ہندوستان کی معلوم ومدون تاریخ کا ایک تابناک اور روشن باب ہے کہ ہندوستان کی زمین کبھی مذاہب اور عقائد کی معرکہ آرائیوں سے خون آلود نہیں ہوئی کیونکہ اس ملک کے حکمرانوں نے خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو کبھی اسلامیت اور ہندومت کے حوالے سے جنگ وجدال کا بازار گرم نہیں کیا، جنوب پر ایک طویل عرصہ تک ہندوؤں اور مسلمانوں نے حکومت کی اور برسر اقتدار مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان رسہ کشی اور خون ریزی رہی اور اس طرح معرکہ آرائی خود مسلمانوں کے درمیان بھی رہی اور ہندوؤں کے درمیان بھی رہی۔ حالانکہ مسلمان مذہب وملت کے اعتبار سے بنیادی طور پر متحد اور ہم مذہب تھے اور اسی طرح ہندو بھی عقیدہ اور مذہب کے اعتبار سے بنیادی طور پر ایک ہی تھے۔ اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ وجئے نگر کی ہندو سلطنت نے مسلمانوں کی سلطنت کو ختم کیا تو مغل سلطنت نے اپنے ہم مذہب مسلمانوں کی دکن کی عادل شاہی، قطب شاہی، بہمنی سلطنت کو ختم کیا۔

اس سے یہ حقیقت آشکار ہوجاتی ہے کہ یہ تمام لڑائیاں اور خون ریزیاں صرف نشۂ اقتدار اور توسیع پسند جذبہ کے زیر

اثر رہی ہیں اوراس کے ساتھ یہ بھی ایک روشن تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے کبھی ہندوؤں کے مذہبی وعائلی اور سماجی امور میں مداخلت نہیں کی بلکہ ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری طرح سے آزادی دے رکھی تھی، اسی طرح سے ہندوراجاؤں نے بھی کبھی مسلمانوں کے مذہبی وعائلی قانون میں دخل اندازی نہیں کی، مسلمان سلاطین کی رواداری اور مذہبی آزادی اور فراخدلی و وسعت ظرفی کی اس سے بڑھ کر مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ ہندوؤں میں رائج مذہبی رسم (شوہر کی میت جلاتے وقت اُس کی زندہ بیوی کو آگ میں جلادینا) ستی کو ختم کرنے کے لئے خود ہندوؤں نے مغل سلطنت سے گزارش کی تو انہوں نے ستی کے خاتمہ کے لئے فوراً امتناعی قانون پاس نہیں کیا بلکہ اس وحشیانہ فعل کی روک تھام کے لئے افہام وتفہیم سے کام لیا تاکہ خود ہندوطبقہ اس غیرانسانی فعل سے باز آجائیں۔ ڈاکٹر برنیر لکھتے ہیں۔

''ان دنوں ستی کی تعداد نسبتاً کم ہوگئی ہے کیونکہ مسلمان جو اس ملک کے حکمران اور فرماں روا ہیں اس وحشیانہ رسم کو نیست ونابود کرنے میں حتی المقدور کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ کہ اس کے امتناع کے لئے انہوں نے کوئی قانون مقرر نہیں کیا ہے کیونکہ ان کی سرکاری پالیسی کا یہ جز ہے کہ وہ ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں مداخلت کرنا مناسب نہیں سمجھتے بلکہ مذہبی رسوم بجالانے میں انہیں آزادی دیتے ہیں تاہم ستی کی رسم اور رواج کو بعض طریقوں سے روک دیتے ہیں، یہاں تک کہ کوئی عورت بغیر اجازت اپنے صوبے کے حاکم ستی نہیں ہوسکتی اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا'' (وقائع سیر وسیاحت، ج۲ صفحہ ۱۷۲)

مغل حکمرانوں نے ستی کے خاتمہ کے لئے جو قدم اٹھایا وہ ہندوؤں کی درخواست کے پیش نظر تھا، لہذا ان کے اس اقدام کو ہندوؤں کے مذہبی امور میں مداخلت کا نام نہیں دیا جاسکتا وہ اقدام صرف اور صرف صنف نازک کی زندگی کی صیانت وحفاظت کے خیال سے تھا، اور وہ ملک میں فوجداری قانون کے ضابطہ سے ایک ضروری اور لازمی اقدام تھا۔ انگریز حکومت نے بھی اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے ستّی کے خلاف قدم اٹھایا۔ چنانچہ لارڈ بنٹنگ نے ۱۴ر ڈسمبر ۱۸۲۹ء کو ستّی کی مخالفت میں قانون پاس کیا اور اس کی رو سے بیوہ عورت کو زندہ جلانا خلاف قانون قرار دیا گیا اور فوجداری عدالتوں میں ستّی کو قابل سزا جرم قرار دیا گیا۔ (انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ صفحہ ۲۳۵)

مسلمانوں اور ہندوؤں کے علاوہ انگریزوں نے بھی ہندوستان پر دوسوسال تک حکومت کی اور یہ انگریز مذہبی اعتبار سے عیسائی تھے، اس ملک سے انہیں طبعی وفکری لگاؤ نہ تھا وہ تو محض سرزمین ہند کے قدرتی ذخائر اور معدنیات کو دیکھتے ہوئے سمندر پار سے کھنچے چلے آئے اور ایک تجارتی ادارہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے سے اپنے قدم جماتے چلے گئے اور اپنی حکمت اور سیاست سے تختِ سلطنت تک پہنچ گئے۔ انگریزوں کے اندر زمانہ شناسی، مزاج شناسی اور موقع شناسی بدرجہ اتم موجود تھی ، انہوں نے دیکھا کہ ہندوستان میں مختلف قومیں، مختلف مذاہب، مختلف زبانیں اور تہذیبیں موجود ہیں اور تمام فرقوں کے درمیان باہمی میل جول محبت والفت اور رواداری کی فضا قائم ہے اور یہاں کے لوگ وطنیت اور قومیت کے لحاظ سے متحد ہیں

اور مذہبیت کے اعتبار سے مختلف ہیں، ان سب پر حکومت کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ یہاں کے ہر فرقہ کو اس کے قال اور اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس طرح سے انگریزوں نے ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کرنے اور مستحکم کرنے کے لئے سیکولر روش اور جمہوری طریقہ کو اختیار کیا اور ایک عرصہ تک ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی معاملات اور عائلی امور میں مداخلت نہیں کی، اور اپنے دورِ حکومت میں مسلمانوں کے مسائل وقضایا کو قاضیوں کے ذریعہ حل کرانے کی راہ ہموار رکھی اور ہندوؤں کے مذہبی امور ومعاملات کو پنڈتوں کے ذریعہ حل کرانے کا راستہ کھلا رکھا۔ جب ان کی حکومت مضبوط اور مستحکم ہوگئی تو ان کی فکر وعمل میں تغیر پیدا ہونے لگا اور نشۂ اقتدار سے سرشار اور مدہوش ہوکر مسلمانوں اور ہندوؤں کی مذہبی آزادی ختم کرنے کے درپے ہوگئے اور مسلم پرسنل لا اور ہندو پرسنل لا میں دخل اندازی شروع کردی اور دونوں فرقوں کو مسیحی رنگ وآہنگ میں ڈھالنے کی طرف پیش رفت کی اور سرکاری تائید سے عیسائی مبلغوں اور مسیحی پادریوں نے علانیہ طور پر اپنے عقائد وخیالات اور افکار ونظریات کی اشاعت شروع کردی۔ مولانا سرسید احمد خان بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' میں رقمطراز ہیں۔

''ہندوستانیوں کے مذہبی عقائد وشعائر کی توہین شروع کردی، پادری انجیل کی اشاعت کھلے بازار کرنے لگے تھے اور ہندوستانی قوموں کے مذہبی شعائر اور اہل دین پر بیہودہ الزامات اور اتہامات عائد کرتے رہے، بعد ایسے قوانین بنائے گئے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ پورے ملک کو عیسائی بنانا مقصود ہے۔ ۱۴/ نومبر ۱۸۰۵ء کو ایک انگریز فوجی اعلیٰ افسر نے مدراس (چنئی) سے ایک ایسا حکم جاری کیا جس سے مسلمان اور ہندوؤں کے مذہب اور ان کے دینی شعائر پر ضرب کاری لگ رہی تھی۔ اور وہ حکم تھا مسلمانوں کو ڈاڑھی رکھنے پر اور ہندوؤں کو پیشانی پر ٹیکہ لگانے پر پابندی تھی۔ اور دونوں کو صلیب کے استعمال کی تاکید تھی۔

ایک انگریز مفکر اور سرکاری اعلیٰ افسر لارڈ میکالے نے ہندوستانیوں کی انگریزی تعلیم وتربیت کے حوالے سے یہ بات کہدی کہ ہم اس ملک میں ایک ایسی قوم کی تعمیر وتشکیل کے خواہاں اور جویاں ہیں جو شکل وصورت کے اعتبار سے ہندوستانی دکھائی دے اور ذہن وفکر کے اعتبار سے انگریز رہے۔

اس صورت حال سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو احساس ہونے لگا کہ ان کی مذہبی آزادی خطرہ میں پڑ رہی ہے، چنانچہ دونوں نے متحدہ طور پر انگریزوں کو اقتدار سے بے دخل کرنے کی تحریک شروع کردی۔ ۱۹۴۷ء میں انگریزوں کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اس کے بعد جو مسلۂ ارباب حل وعقد کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ وہ یہ تھا کہ ہندوستان کے لئے ایک ایسا آئین اور دستور مرتب کیا جائے جس کی رو سے ہر ہندوستانی کو مساوی طور پر سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی آزادی کے ساتھ اس ملک میں رہنے اور جینے کا حق حاصل رہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ملک کو (لامذہب) سیکولر اور جمہوری قرار دیا گیا۔ جنانچہ

۲۶/جنوری ۱۹۵۰ء کو ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کی سرپرستی میں ملک کے باشندوں اور مختلف تہذیبوں اور زبانوں اور مذہبوں کو سامنے رکھتے ہوئے دستورِ ہند مرتب کیا گیا اور دستور کی تکمیل میں تین سال کی مدت لگ گئی۔ دستور ساز مجلس میں پورے ملک سے تین سو منتخب نمائندے تھے اور مسودے کو ترتیب وتہذیب دینے کے لئے تقریباً ۱۲۰/افراد کی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ دستور کی رو سے ۱۹۵۲ء میں پہلا انتخاب عمل میں آیا۔ اور مئی ۱۹۵۲ء میں پہلی پارلیمنٹ وجود میں آئی۔ اور اس کے پہلے صدر ڈاکٹر راجیند ر پرشاد مقرر ہوئے اور جواہر لال نہرو پہلے وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ اسکے بعد چھ سات دہوں میں پارلیمان کے انتخابات ہوتے رہے اور مختلف سیاسی جماعتیں برسر اقتدار آتی رہیں اور اسی دستور وآئین کی رو سے حکومت کرتی آرہی ہیں۔

اس مقام پر دستور ہند میں ملک کے ہر شہری کو دئے گئے چند بنیادی حقوق کی نشاندھی شاید بے محل نہ ہوگی۔

(۱) مذہبی آزادی:۔ ہندوستان میں رہنے والا ہر شہری کسی بھی مذہب پر عمل پیرا ہوسکتا ہیا اور دوسرے مذاہب کی توہین وتنقیص کئے بغیر اپنے مذہب کی تبلیغ کرسکتا ہے اور اپنے مذہب کے قوانین پر آزادی کے ساتھ عمل کرسکتا ہے اور کسی شہری کے ساتھ مذہب کی بنیاد پر کسی طرح کا امتیاز نہیں برتا جاسکتا۔

(۲) مساوات:۔ ملک کے تمام شہریوں کے درمیان زبان، علاقہ، جنس، مذہب، یا کسی اور بنیاد پر کسی طرح کا امتیاز نہیں کیا جاسکتا ہر ایک کو حقوق میں مساوات کا حق ہے۔

(۳) تیسرا حق یہ ہے کہ ہر شہری کو حکومت کے کسی بھی عہدہ پر فائز ہونے کی آزادی ہوگی اور ہر شہری کو کسی بھی اسٹیٹ (صوبہ) میں جانے آنے، رہنے سہنے اور مستقل جینے اور زمین خریدنے کی آزادی رہے گی۔ بشرطیکہ کوئی شر وفساد کی صورت پیدا نہ ہو۔ اور ہر شہری کو اپنی انجمن، اپنا ادارہ، اسکول، کالج، یونیورسٹی قائم کرنے کی آزادی ہوگی۔

(۴) ملک کے کسی شہری سے ناجائز فائدہ اٹھایا نہیں جاسکتا۔ اور کسی بھی شہری کے اوپر ظلم وستم ہونے لگے، خواہ یہ ظلم کسی فرد کی جانب سے ہو یا کسی جماعت کی جانب سے ہو، اس کے خلاف آواز اٹھانے کی آزادی مظلوم کو حاصل رہے گی اور اس کے لئے عدلیہ اور انتظامیہ کے دروازے کھلے رہیں گے۔

(۵) پانچواں حق یہ ہے کہ ہر شہری کو اپنی تہذیب وثقافت اور زبان وادب کی حفاظت وصیانت کی اجازت رہے گی اور وہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے کسی بھی طرح کی تعلیم حاصل کرسکتا ہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے اپنے الگ ادارے قائم کرسکتا ہے۔

(۶) چھٹا حق یہ ہے کہ کسی بھی شہری کے بنیادی اور دستوری حقوق سلب کئے جارہے ہوں تو وہ اس کے خلاف ملک کی عدالتوں کا رخ کرسکتا ہے۔

الغرض ہندوستان میں صدیوں سے دو طرح کے قانون چلے آرہے ہیں۔ ایک دیوانی۔ دوسرا فوجداری۔ قانون فوجداری تمام شہریوں کے لئے ایک ہونے میں دورائے نہیں ہے۔ لیکن ضابطہ دیوانی تمام شہریوں کے لئے ایک اور یکساں

نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس ملک میں مختلف اور متعدد مذاہب اور عقائد کے لوگ موجود ہیں ان سب کے لئے یکساں سول کوڈ کا نفاذ ممکن ہی نہیں ہے۔یہی وجہ تھی کہ ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں اور ہندو راجاؤں نے اپنے اپنے دور حکومت میں ملک میں یکساں سول کوڈ کو نافذ کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ یہاں تک کہ انگریزوں نے بھی اپنے دور حکومت کے ابتدائی اور وسطیٰ دور میں یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ پھر جب انہیں اپنی حکومت مضبوط اور مستحکم نظر آنے لگی تو ہندوستانیوں کی مذہبی آزادی پر ہاتھ ڈالا۔جسکا نتیجہ یہ سامنے آگیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں نے انگریز حکومت کے خلاف متحدہ محاذ کھول دیا۔اور اس عوامی احتجاج کے سامنے انگریز حکومت ٹھہر نہ سکی اور وہ تاریخ کا حصہ بن گئی اور آنے والی حکومت کے لئے نوشتۂ دیوار بن گئی۔

تاریخ دہرائی جاتی ہے شاید ملک میں انیسویں صدی عیسوی کا زمانہ پھر لوٹ کر آرہا ہے جس کی وجہ سے ملک میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی باتیں شروع ہوگئی ہیں۔

جناب محمد عبدالرحیم قریشی سابق اسسٹنٹ جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لاء بورڈ کی فکر انگیز اور بصیرت افروز تحریر جو یونیفارم سول کوڈ سے متعلق وجود میں آئی ہے اس کی ہلکی پھلکی سی جھلک بے محل نہ ہوگی۔

''اس میں شک نہیں کہ دستور کے آرٹیکل ۴۴ میں یہ کہا گیا ہے کہ مملکت، ہندوستان کے سارے علاقوں میں تمام شہریوں کے لئے یونیفارم سول کوڈ ترتیب دینے کی کوشش کرے گی۔دستور کے رہنما اصولوں کے تعلق سے جو اس چوتھے حصے میں درج ہے۔یہ بات عوام کے سامنے آنی چاہئے اور اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ بہت سے رہنما اصولوں کی نوعیت ایسے نشانوں کی ہے جن کا حصول مشکل ہی نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ناممکن ہے۔اسی لئے دستور نے آرٹیکل ۳۷ کے ذریعہ یہ واضح کردیا ہے کہ اس حصے میں درج رہنما اصول عدالتوں کے ذریعہ قابل نفاذ نہیں ہیں''۔

یعنی یہ کہ کوئی شخص عدالت سے یہ حکم یا ہدایت حاصل نہیں کرسکتا کہ فلاں اصول کو نافذ کیا جائے، یا اس کی تکمیل کی جائے۔اسی طرح اگر کوئی رہنما اصول نافذ نہیں ہے، یا اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے تو یہ بات دستور کے خلاف ورزی متصور ہوگی اور نہ اس کے لئے حکومت کو مورد الزام قرار دیا جائے گا۔لوک سبھا کے اندر اور باہر صرف ایک ہی رہنما اصول یونیفارم سول کوڈ کے لئے آواز اٹھتی ہے، شور اور پکار ہوتی ہے۔

یونیفارم سول کوڈ کی ضرورت کیوں ہے؟ تصور یہ ہے کہ ایک مشترکہ سول کوڈ سے اتحاد بڑھے گا۔پرسنل لا کی یکسانیت، یکتائی کے احساس کو بڑھائے گی اور مختلف گروہوں کے درمیان امن و ہم آہنگی کو پروان چڑھائے گی، جو لوگ یورپی ممالک میں قوم پرستی کی تحریکات سے متاثر تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح کی یکسانیت، قومیت کے تصور کی امتیازی خصوصیت ہے اور یہ کہ اس اشتراک و یکسانیت سے قوم پرستی کا جذبہ طاقتور ہوگا۔

لیکن یہ لوگ اس حقیقت کو محسوس نہ کرسکے کہ ہندوستان یورپی ملکوں کی طرح چھوٹا ملک نہیں ہے۔اور یورپی اقوام کی

طرح ایک نسل، ایک تہذیب یا ایک زبان کا ملک نہیں ہے۔ یورپی ممالک کے برخلاف ذیلی براعظم جیسی وسعت رکھنے والا یہ ملک ہندوستان کئی اور مختلف تہذیبوں، مذہبوں، زبانوں اور نسلوں کا گہوارہ رہا ہے۔ اگر ہم یورپ کے تناظر میں دیکھیں تو ہندوستان کئی قومیتوں پر مشتمل ایک قوم ہے۔

مشترکہ اور یکساں سول کوڈ کی بات کہنے والوں میں وہ ماڈرن ذہن وفکر رکھنے والے بھی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ تمام قدیم عادتوں، رسوم، اور رواجات کو ترک کرنا، ہندوستان کو ایک ماڈرن ملک بنانے کے لئے ضروری ہے۔ ان لوگوں کا یہ تصور ہے کہ مذہب کے اثر کو بالکل ختم یا کم سے کم کئے بغیر ماڈرن بنانا ممکن نہیں ہے۔ اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ شادی، وراثت، خاندانی حقوق اور ذمہ داریوں کے معاملات سے مذہب کو بالکلیہ بے دخل کر دیا جائے۔ یہ معاملات سیکولر قوانین کی بنیاد پر طے پائیں۔ یہ ماڈرن ذہن رکھنے والے افسوس کہ اس حقیقت کو نہ دیکھ سکے کہ مذہب ہندوستانیوں کے رگ وریشے میں پیوست ہے۔ ان کو کرنا یہ چاہئے تھا کہ ملک کو ڈیولپمنٹ، ترقی، سائنسی جستجو وتحقیق کے راستے پر گامزن کرنے کے لئے مغرب کی نقل کرنے کے بجائے ہندوستانی زندگی کی حقیقتوں کو سامنے رکھتے ہوئے راستے اور ذرائع تلاش کرتے۔

دستور کی تدوین کے وقت ان دو رجحانات نے یونیفارم سول کوڈ کی دفعہ شامل کرنے پر زور لگایا۔ دستور ساز اسمبلی کے کئی مسلم ارکان نے اس کی مخالفت کی۔ ڈاکٹر امبیڈکار خود یونیفارم سول کوڈ کے پرجوش حامی تھے لیکن مسلم ارکان کے اندیشوں کو دور کرنے بلکہ ان کو تسلی دینے کے لئے انہوں نے کہا۔

''کوئی حکومت ان اختیارات کا استعمال اس انداز میں نہیں کرے گی جس سے مسلم فرقے میں بغاوت کے لئے اشتعال پیدا ہو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایسا کام صرف پاگل حکومت ہی کرے گی''۔

یونیفارم سول کوڈ کی دفعہ شامل کرنے کی کوششوں کے پیچھے یہی خواہش اور آرزو تھی کہ اس کے ذریعہ ہندوستان کی مختلف عوام، طبقوں اور فرقوں کے درمیان اتحاد و یک جہتی پیدا ہو۔ یہ مفروضہ قائم کرلیا گیا تھا کہ قوانین کی یکسانیت خاص طور پر شادی، طلاق، وراثت اور دوسرے خاندانی معاملات کے قوانین کی یکسانیت عوام کے درمیان امن و ہم آہنگی کے لئے اساس بنے گی۔ یونیفارم سول کوڈ کے حامیوں کی نیت قابل تعریف سہی لیکن ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان لوگوں نے تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ اور تاریخ کی بعض تلخ حقیقتوں کو نظر انداز کر دیا۔ پرسنل لا، لباس وضع قطع اور روایات کی یکسانیت بھی یورپی ممالک کو دو انتہائی خون آشام عالمی جنگوں سے نہ روک سکی۔ انہوں نے اس حقیقت سے بھی آنکھیں بند کرلیں کہ ہر مذہبی، تہذیبی اور نسلی گروہ میں اپنی شناخت اور اپنی پہچان کو باقی رکھنے کی زبردست خواہش ہوتی ہے۔ اپنی انفرادی شناخت کے تحفظ اور اس کو منوانے کی تحریکات آج ایک عالمی مسئلہ ہیں۔

مسلمان مذہب اسلام سے وابستگی کی بنیاد پر مسلمان بنتے ہیں اور ان کی ایک مخصوص تہذیب ہے۔ مسلمانوں کے تہذیب وتمدن میں وہ تمام باتیں داخل ہیں جو نسلاً بعد نسل سے مذہب کے واسطے وراثت میں آئی ہیں اور ان میں نکاح، طلاق،

خاندان اور افراد خاندان کے حقوق اور ترکہ و وراثت کے معاملات شامل ہیں۔

نکاح، طلاق، خلع، نفقہ، مہر، ولایت، وصیت، وراثت، تبنیت وغیرہ کے معاملات میں شریعت کے احکام مسلم پرسنل لا کہلاتے ہیں اور یہ دین اسلام کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ کیونکہ ان احکامات کی بنیاد قرآن کریم، احادیث اور فقہ اسلامی کے مختلف مکاتیب پر ہے۔ فقہی اختلاف فروعی معاملات ہے بنیادی اصولوں میں سب متفق ہیں۔

مسلمان اپنے پرسنل لا کو اپنے مذہب کا اٹوٹ حصہ سمجھتے ہیں۔ مسلمان دیگر اقلیتیں اور تہذیبی گروہ اپنے پرسنل لاز کے تحفظ کا اعادہ آرٹیکل ۲۹ کے تحت بھی کرسکتے ہیں۔

پرسنل لا کے معاملات میں مسلمانوں کا موقف کیا ہے۔ کسی اور قانون پر چلنے کے لئے مسلمانوں کو کہنا، یا مجبور کرنا اگر ارتداد کی دعوت نہیں تو کم ازکم مذہبی احکامات کی کھلی خلاف ورزی کی دعوت ضرور ہے۔ بے شک کوئی مسلمان ایسی دعوت کو قبول نہیں کرسکتا۔

اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ ایک کثیر مذہبی، کثیر نسلی اور کثیر تمدنی ملک میں جس کا رقبہ اور آبادی ذیلی براعظم کی نوعیت رکھتا ہو، یونیفارم سول کوڈ کا نفاذ نقصان دہ ہوگا۔۔

اسلئے صحیح راستہ یہی ہے کہ آرٹیکل ۴۴ کو دستور سے نکال دیا جائے کیونکہ یہ آرٹیکل یونیفارم سول کوڈ کے مسئلہ کو بار بار ابھرنے کا موقع دیتا ہے جس سے ملک کو کوئی مفاد حاصل نہیں ہوگا بلکہ اس سے ملک کے مفادات مجروح ہوتے ہیں اور ان کو نقصان پہنچتا ہے"۔

الغرض موجودہ دور میں مسلمانان ہند کے لئے جہاں مختلف اور معتدد مسائل اور مشکلات کھڑی ہوگئی ہیں ان میں سے ایک آئین کی اختلافی دفعہ ۴۴ جس کی وجہ سے برسر اقتدار بعض لوگوں، بعض مخالف اسلام جماعتوں اور شریعت مطہرہ سے نا آشنا اور مغرب زدہ نادان مسلمانوں کی طرف سے بعض شرعی امور و احکام میں تبدیلی و ترمیم اور تنسیخ کی باتیں ہو رہی ہیں، چنانچہ ایک نئی صورت حال ان دنوں میں جو سامنے آئی ہے وہ یہ کہ ایک دختر ملت سائرہ بانو کاشی پور ضلع اودھ سنگھ نگر اتراکھنڈ نے تین طلاق اور تعدد ازواج (ایک وقت میں چار عورتوں تک نکاح میں رکھنا) کے خلاف فروری ۲۰۱۲ء میں سپریم کورٹ میں رٹ پٹیشن داخل کرکے تین طلاق اور تعدد ازواج کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے ختم کرنے کی درخواست دی ہے۔ اس مقدمے کی وجہ سے پورے ملک میں مسلم پرسنل لا اور یکساں سول کوڈ اور اسلام میں عورتوں کے حقوق سے متعلق سرکاری و نیم سرکاری اور مسلم و غیر مسلم افراد اور جماعتوں کی جانب سے مباحثوں، مناظروں اور مجادلوں کا ایک بازار گرم ہے۔ اللہ ہی بہتر جانے یہ گرم بازاری، سیاسی بازی گری، منافقانہ چال بازی اور مومنانہ سادگی کیا رنگ لائے گی۔

وما علینا الا البلاغ

جواھر القرآن

"لقد انزلنا الیکم کتاباً فیه ذکرکم"

قرآن میں تمہارا تذکرہ ہے، کیا تم غور نہیں کرتے

از مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی

یم اے پی ایچ ڈی، استاذ دارالعلوم لطیفیہ، ویلور

تاریخ کے مختلف ادوار میں انسانوں کی ہدایت ورہبری کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبیوں اور رسولوں کو دنیا میں بھیجا جاتا رہا، ساتویں صدی عیسوی کے ربع اول میں سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری پیغمبر بنا کر مکہ مکرمہ میں بھیجا، اور آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب کو آخری کتاب نازل قرار دیا، اس کے بعد ہمیشہ کے لئے زمین سے آسمان کا راستہ منقطع ہو گیا۔ خاتم النبین کے بعد نہ کسی پیغمبر کی بعثت ہوگی اور نہ ہی قرآن کریم کے بعد کسی صحیفہ کا نزول ہوگا۔ اب رہتی دنیا تک انسانوں کی ہدایت کے لئے صرف دو ہی چشمے ہیں جن سے انسانیت سیراب ہوتی رہے گی، ایک قرآن کریم دوسرا صاحب قرآن کی سیرت۔ تمام آسمانی کتابوں میں صرف قرآن کریم کو عالم گیر دائمی اور آفاقی ہدایت نامہ قرار دیا گیا اور اس کی ظاہری ومعنوی حفاظت وصیانت کے لئے قدرتی اور آفاقی انتظامات عہد نبوت سے لے کر موجودہ عہد تک ہوتے رہے اور آئندہ آنے والے زمانوں میں بھی عجیب وغریب حفاظتی تدبیریں اور صیانتی شکلیں وجود میں آتی رہیں گی اور قرآن کریم کا یہ اعزاز واعجاز اور پہلو دنیا والوں کے ساتھ نمایاں ہوتا رہے گا۔ لا تیه الباطل من بین یدیه ومن لاخلفه (قرآن کے اندر باطل کی آمیزش کسی پہلو اور کسی جہت سے نہ ہو سکے گی)

قرآن کریم کا یہ پہلو دنیا والوں کے سامنے نمایاں ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کی حفاظت وصیانت کی ذمہ داری خود خالق کائنات نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ اس کا اثر ہے کہ چودہ صدیاں بیت جانے کے بعد بھی قرآن لسانی لفظی اور معنوی تحریف وتبدیل سے محفوظ اور مامون ہے۔ اس کی حفاظت کی ایک عام مشاہداتی مثال یہ ہے کہ وہ صدیوں سے تسلسل وتواتر کے ساتھ سینکڑوں صاحبان ایمان کے سینوں میں محفوظ چلا آرہا ہے اور یہ سلسلہ کائنات کے فنا ہونے تک بھی جاری وساری رہے گا۔ وما ذلك علی الله بعزیز ۔ اور یہ بھی قرآن کریم کی حفاظت کی ایک حیرت انگیز نادر ونایاب

مثال ہے کہ اس کے انگنت اربوں کھربوں نسخے تحریری اختلاف سے منزہ اور خط عثمانی کے حسین وجمیل رنگ وآہنگ کے ساتھ ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔اور کوئی شہر اور دیہات ایسا نہیں ہے جہاں قرآن کریم کے نسخے دستیاب نہ ہوں اور مسلمانوں میں کسی ایک مسلمان کا گھر ایسا نہیں ہے جس میں قرآن موجود نہ ہو۔قرآن کے زمانۂ نزول سے لے کر آج تک ساری دنیا میں قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو کثرت سے پڑھی جانے والی ہے اور جب تک دنیا رہے گی یہی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب نمبر ایک ہی پر رہیگی۔اور اس کی افادیت کا یہ ایک ہمہ گیر اور عالمگیر رخ ہے اور یہ بھی اس کا ایک تاریخ ساز افادی پہلو یہ کہ اسکے نزول کے وقت ہی سے دنیا اس سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔موجودہ زمانے میں اس کے افادات سائنسی،طبی،فلکیاتی،ارضی،علمی،تحقیقی اور تاریخی اعتبار سے ایک مسلّم حقیقت کا درجہ حاصل کر چکے ہیں،اور مستقبل میں دنیا کے سامنے اس کی افادیت کی اور بھی نئی جہتیں اور سمتیں روشن ہو جائیں گی جن سے آج کی دنیا نا آشنا ہے۔اور انسانی زندگی کا ایک دور ایسا آجائے گا کہ کچھ لوگ رضا اور رغبت کے ساتھ قرآن سے استفادہ کریں گے تو کچھ لوگ قرآن سے استفادہ کرنے پر مجبور ہوں گے بعز عزیز اور بذل ذلیل،اور یہ کتاب گھر گھر میں پہنچ کر رہے گی۔

قرآن کریم سے استفادہ کی مختلف اور متعدد جہتیں اور سمتیں ہیں جو ہر دور میں انسانوں کے سامنے روشن ہوتی رہی ہیں اور آئندہ بھی روشن ہوتی رہیں گی،لیکن قرآن کی ایک افادی جہت ایسی رہی ہے جس کی افادیت پورے ماضی میں برقرار رہی اور رہتی دنیا تک بھی برقرار رہے گی۔وہ ہے آدمی کا قرآن سے تزکیہ حاصل کرنا اور اپنے نفس کی اصلاح کرنا اور اپنے ظاہر اور اپنے باطن کو روشن اور منور کرنا۔اس مقصد کی تکمیل کے لئے غور وخوص اور تدبر وتفکر کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرنا ایک ناگزیر عمل ہے۔قرآن کریم ایک ایسا آئینہ ہے جس میں آدمی اپنی زندگی کے خدوخال،اعمال وافعال اور اوصاف و صفات کو دیکھ لیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ نے کہا لقد انزلنا الیکم کتاباً فیه ذکر کم افلا تعقلون۔ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب بھیجی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا تم غور نہیں کرتے۔

قرآن کریم سے تزکیہ حاصل کرنے کے باب میں حضرت قطب ویلور نے درج ذیل وضاحت اپنے فارسی مکتوبات میں کی ہے۔ملاحظہ کیجئے۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ذکر،مراقبہ اور تلاوت قرآن ہے۔اور اس میں بہترین راستہ قرآن کریم کی تدبر کے ساتھ تلاوت ہے اور حضرات صحابہ کا تزکیہ اور سلوک زیادہ تر اسی راستہ سے ہوا۔زبان نبوت نے ارشاد فرمایا۔انی ترکت فیکم الثقلین کتاب الله و عترتی۔ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ جارہا ہوں،قرآن کریم اور میرے اہل بیت۔

تلاوت میں اللہ تعالیٰ کے کلام کو بغیر واسطہ سنیں یہ ادنیٰ مقام ہے،اور ہر قصہ اور ہر خطاب کا مخاطب اپنی ذات خیال کریں یہ درمیانی مقام ہے اوراس میں اپنے افعال اور صفات کا مشاہدہ کریں یہ اعلیٰ مقام ہے۔اور جب اس نہج اور کیفیت کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو اس کے فوائد،نتائج اور ثمرات کی امید رکھئے پھر فیوض ربانی اور برکات خداوندی کی کثرت اور فراوانی کا مشاہدہ کیجئے۔کرم اطوار!

اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کے دل پر ہوتی ہے نہ کہ اس کے جسم پر۔لہذا قرآن کی تلاوت کے وقت دل کی توجہ اللہ تعالیٰ کی جانب رہنا ضروری اور لازمی ہے اور یہ کیفیت اور حالت کلام اللہ کے مطالب اور معانی کے فہم وادراک کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔اور خاص طور پر تلاوت کے دوران معانی ومطالب کا ذہن میں متحضر رہنا ایسا ہی سمجھو جیسا کہ بدن میں روح اور تھیلی میں زروسیم۔

ہاں!یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ نفوس کے تزکیہ اور قلوب کی اصلاح وتربیت میں صحبت کو بڑا دخل ہے۔یہی وجہ ہے کہ کوئی ولی ادنیٰ صحابی کے مقام ومرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا،اور ایک غیر صحابی کا کوہِ احد کی مقدار میں دیا ہوا صدقہ،ایک صحابی کے مٹھی بھر گیہوں کے صدقہ کے اجروثواب میں ہم سری اور برابری نہیں کرسکتا۔

ایک شخص نے عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ایهما افضل معاویه ام عمر بن عبدالعزیز؟ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ؟ جواب میں ارشاد فرمایا۔الغبار الذی دخل انف فرس معاویة مع رسول الله صلى الله عليه و سلم خير من عمر بن عبدالعزيز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ہم راہی میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کے ناک میں جو گرد وغبار پہنچا ہے وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے افضل ہے۔مطلب یہ ہے کہ غیر صحابی،علم وفضل تقویٰ وطہارت اور ولایت میں کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو وہ ایک ادنیٰ صحابی سے افضل نہیں ہوسکتا۔اللہ تعالیٰ آپ کو کسی صاحب دل کی مصاحبت اور ہم نشینی عطا کرے تو اس سے بڑی نعمت اور کوئی نہیں۔

آمدم برسرِ مطلب!لقد انزلنا اليكم كتاباً فيه ذكر كم۔ قرآن میں تمہارا تذکرہ ہے۔ایک صاحب ایمان قرآن میں اپنا تذکرہ کس طرح تلاش کرے۔اسکے لئے ہم سب سے پہلے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی چند آیتوں کی جانب رخ کریں گے۔جن میں خدا کے بندوں کے بعض اوصاف اور بعض اعمال بیان کئے گئے ہیں۔ان آیتوں کو تلاوت کرتے ہوئے قاری قرآن ایک ایک صفت اور ایک ایک عمل کو اپنی ذات اور شخصیت کے اندر تلاش کرے تو اس پر یہ حقیقت واضح

ہو جائے گی کہ اس کے اندر کون کونسی صفت موجود ہے اور وہ کون کونسا عمل انجام دے رہا ہے۔ اسی غور وفکر کی وجہ سے وہ اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا کہ اس کا شمار مذکورہ بندگان خدا میں ہوسکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے الفاظ میں یہی اس کی زندگی کی تصویر اور اوراس کا تذکرہ ہے۔

سورۃ الفرقان میں اللہ کے بندوں کی چند صفات بیان کی گئی ہیں، پہلی صفت یہ ہے کہ وہ زمین پر عاجزی وفروتنی اور سکیت ووقار کے ساتھ چلتے ہیں اوران کی چال میں تیز رفتاری اور سست رفتاری نہیں بلکہ میانہ روی ہوتی ہے۔ یمشون علی الارض ھونا۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کو یہ نصیحت کی ہے کہ وہ اپنی چال میں میانہ روی برقرار رکھے۔ واقصد فی مشینك۔

چال چلن میں میانہ روی اختیار کرنے کی جو ہدایت ہے اس کا تعلق چلن کے ظاہری رخ اور پہلو تک محدود نہیں ہے بلکہ زندگی کی چلن میں میانہ روی اور عجز وتواضع مطلوب ہے۔

دوسری صفت یہ ہے کہ جب ان کے ساتھ جاہل اور شر پسند لوگ الجھتے ہیں تو وہ ان کے ساتھ جہالت سے نہیں پیش آتے۔ بلکہ شریفانہ انداز اور شیریں لب ولہجہ میں بات چیت کرتے ہوئے سلامتی کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً۔

حکایات میں ہے کہ ایک بے علم مغرور سرکش آدمی حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام سے جاہلانہ گفتگو کر رہا تھا اور آپ بڑی سنجیدگی اور خوش اخلاقی سے جواب دے رہے تھے کسی نے ابن مریم سے عرض کیا آپ اس بدمعاش کو منہ توڑ جواب کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے فرمایا کل اناء یترشح بما فیه، برتن میں جو چیز ہوتی ہے وہی باہر نکلتی ہے۔ اس کے اندر جو چیز ہے وہی باہر آرہی ہے اور میرے اندر جو چیز ہے وہ باہر آرہی ہے۔ اس کی بدخلقی سے میں بدخلقی کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ مجھے ہر حال میں خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنا ہے لہذا ممکن ہے وہ میرے اخلاقی رویہ کو دیکھ کر اپنے اخلاق وعادات کو درست کرلے۔

تیسری صفت یہ ہے کہ والذین اذا انفقوالم یسر فوالم یقتروا۔ وہ مال خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور خرچ کرنے میں بخیلی بھی نہیں کرتے، بلکہ اپنے خرچ میں اعتدال اور توازن برقرار رکھتے ہیں۔ اوران کی یہ روش شریعت مطہرہ کے موافق ہے جس کی وجہ سے وہ لوگ فقر وتنگی اور محتاجی سے محفوظ رہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین اور تاکید بھی ہے کہ آدمی خرچ میں توسط اور اعتدال اختیار کرے تاکہ وہ فقیر اور کنگال نہ ہوجائے۔ ما عال من اقتصد۔ جو خرچ میں میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ محتاج نہیں ہوتا۔

اسراف کا معنی ہے خرچ میں حد سے تجاوز کر جانا، نیک کاموں میں اپنی حیثیت سے جتنا بھی خرچ کیا جائے وہ اسراف نہیں ہے جیسا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ لااسراف فی خیر۔ اسراف خیر میں نہیں۔ مفسر قرآن حضرت ابن عباس کا کہنا ہے کہ گناہوں میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنا اسراف ہے۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ ناحق کسی انسان کو قتل نہیں کرتے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے ان کا قرابت دار مظلوم قتل کر دیا گیا ہوتو وہ مقتول کے وارث ہونے کی بناپر ارباب اقتدار کے ذریعہ قاتل کو قصاص (خون کا بدلہ خون) میں قتل کرا دیتے ہیں یا دیت خون بہا کے عوض قاتل کی جان بخش دیتے ہیں۔ ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق۔ ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ جنسی آسودگی قانونی وشرعی بیوی کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں اور اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لئے بے نکاح والی غیر قانونی خاتون کا رخ نہیں کرتے۔ ولا یزنون

چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ گناہ اور فسق وفجور کی مجلسوں میں شرکت نہیں کرتے، حضرت ابن عباس کے نزدیک مجلسوں سے مراد کفار ومشرکین کی عیدیں، تہوار اور میلے ہیں۔ بعض مفسرین نے شہادت کا معنی لیا ہے۔ یعنی گواہی دینا۔ اس اعتبار سے یہ معنی ہے کہ یہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ والذین لایشهدون الزور

جھوٹی گواہی گناہ پر گناہ کا ارتکاب ہے۔ جھوٹ خود ایک گناہ ہے اس پر گواہی دینا دہرا گناہ ہے اور یہ جھوٹ کو سچ قرار دینا ہے اور اس کے سچ ہونے پر خدا کو گواہ ٹھہرانا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو کبیرہ گناہوں میں ایک بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

اللہ کے بندے فسق اور فجور کی مجلسوں میں شرکت نہیں کرتے ہیں بلکہ کبھی اتفاق سے گناہ اور فسق اور فجور کی مجلسوں سے گزر ہو گیا تو وہاں رکتے بھی نہیں بلکہ حکیمانہ اور شریفانہ انداز سے گزر جاتے ہیں۔ واذا مروا باللغو مروا کراما

ساتویں صفت یہ ہے کہ وہ فرائض پنجگانہ، واجبات، سنن کی ادائیگی کے علاوہ نفل نمازوں، تلاوت، دعا وذکر اور استغفار کا بھی اہتمام کرتے ہیں اور اپنی راتوں کے کچھ حصہ کو قیام وسجود اور دعا کی نذر کرتے ہیں۔ والذین یبیتون لربهم سجدا و قیاما۔

سورۃ الفرقان کے بعد ہم سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات کی طرف روئے قلم موڑ دیں گے ان میں اہل ایمان کی بعض صفات بیان کی جارہی ہیں جن سے سورۃ الفرقان کی مذکورہ آیات کی تفسیر ہوگی، یہ بھی قرآن کریم کا ایک پہلو ہے اسکی بعض

آیات بعض آیات کی تفسیر کرتی ہیں۔سورۃ المؤمنون کی شروعات فوز وفلاح کی بشارت سے ہو رہی ہے کہ جن مسلمانوں میں یہ صفات موجود ہوں تو وہ فلاح سے ہمکنار ہوں گے اور جنت کے حقدار ہوں گے۔

یہ پہلی صفت یہ ہے کہ الذین ھم فی صلوتھم خاشعون۔وہ مسلمان جو اپنی نمازوں کو خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں خواہ وہ فرض نمازیں ہو یا غیر فرض۔خشوع کا مفہوم یہ ہے کہ نمازی کے دل میں طمانیت اور سکینت قائم رہے اور تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی جانب رہے اور نمازی اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا قصداً کسی خیال کو جگہ نہ دے اور اگر غیر اختیاری طور پر غیر اللہ کا خیال آجائے تو اسے دل سے دور کرنے کی کوشش کرے اور اپنے اعضاء کو بے ضرورت حرکت نہ دے اور تمام اعضاء کو پرسکون اور ساکت رکھے۔ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سکون دل سے اعضاء میں سکون قائم رہتا ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نمازی کو دیکھا جو بار بار اپنا ہاتھ ڈاڑھی کی طرف لے جارہا تھا، آپؐ نے ارشاد فرمایا،لو خشع قلبہ لخشعت جوارحہ۔ اگر اس نمازی کے دل میں سکون ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی سکون رہتا۔خشوع وخضوع اللہ تعالیٰ کی طرف کامل یکسوئی سے اور دل غیر اللہ کے تصور وخیال سے خالی رہنے سے پیدا ہوتا ہے۔حضرت امام زین العابدینؒ کے تذکرہ میں مرقوم ہے کہ آپ اپنی راتیں کوفہ کی مسجد میں گزارتے تھے اور ذکر ونوافل میں مشغول رہتے تھے،ایک مرتبہ آپ نماز میں مشغول تھے کہ مسجد کو آگ لگ گئی،لوگوں کو معلوم تھا کہ آپ مسجد میں ہیں ،آپ کو باہر آنے کے لئے آواز دیتے رہے لیکن آپ مسجد سے باہر نہیں نکلے۔آگ پر قابو پانے کے بعد لوگ مسجد کے اندرونی حصے میں پہنچے تو دیکھا کہ آپ سجدہ کی حالت میں ہیں۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے لوگوں کا ہجوم دیکھا ،کسی شخص نے کہا امامِ عالیمقام کیا ہماری آوازیں آپ کے کانوں تک نہیں پہنچی،ہم لوگ آگ بجھاتے ہوئے مسلسل آپ کو آواز دے رہے تھے۔امام صاحب نے فرمایا مجھے اس حادثہ کا احساس نہیں ہوا،پھر فرمایا آپ لوگ دنیا کی آگ بجھا رہے تھے میں اپنے لئے آخرت کی آگ بجھانے میں منہمک رہا۔یہ ایک ایسا سجدہ تھا جس کو آج منبر ومحراب ترس رہے ہیں۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اس امت سے جو چیز سب سے پہلے سلب کرلی جائے گی وہ خشوع وخضوع ہے۔یہاں تک کہ امت میں کوئی صاحب خشوع نظر نہ آئے گا۔

دوسری صفت یہ ہے کہ الذی ھم عن اللغو معروضون۔وہ مسلمان جو بے فائدہ باتوں اور بے فائدہ کاموں سے کنارہ کش رہنے والے ہیں،جس سماج میں ایسے لوگ رہتے ہوں تو وہ ایک پرامن معاشرہ کی علامت ہے،اور ایسا سماج ترقی کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔جس سماج میں لوگ فضول باتوں اور فضول کاموں کے عادی اور خوگر ہوتے ہیں وہ خود بھی

تنزل اور پستی کا شکار ہوجاتے ہیں ،اور اپنے خاندان اور سماج کو بھی زوال اور انحطاط کی طرف لے جاتے ہیں۔کسی مسلمان کا لادینی باتوں اور بے فائدہ کاموں سے محفوظ رہنا اسکا اسلام خوب اور عمدہ ہونے اور مکمل ہونے کی دلیل ہے۔اسی لئے شریعت مطہرہ میں ہدایت دی ہے کہ آدمی بات کرے تو مفید بات کرے ورنہ خاموش رہے،اوراس کا یہ فائدہ بھی بتلایا گیا، جوشخص خاموش رہاوہ مختلف آفتوں اور آزمائشوں سے محفوظ وماموں رہا۔من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ ،من صمت نجا۔

تیسری صفت یہ ہے الذین ھم للزکاۃ فاعلون۔ وہ مسلمان جوزکوۃ دیتے ہیں اور اپنے نفوس کا تزکیہ کرتے ہیں۔لغت میں زکوۃ کا معنیٰ پاک وصاف کرنے کے ہیں۔شریعت کی زبان میں زکوۃ کا معنیٰ ہے ایک مسلمان جوصاحب نصاب ہے اس کے مال پرایک سال مکمل ہوجائے تو وہ اپنے مال سے ایک متعین مقدار مخصوص لوگوں میں تقسیم کردے۔لغت میں تزکیہ کا معنیٰ ہے پاک وصاف کرنا اور شریعت کی اسطلاح میں تزکیہ یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کورذائل سے پاک وصاف کرے اور فضائل سے آراستہ کرے۔رذائل ایسی مزموم خصلتیں ہیں جوشریعت میں ناپسندیدہ ہیں اور فضائل ایسی محمود خصلتیں ہیں جوشریعت میں پسندیدہ ہیں۔

بعض مفسرین کے نزدیک للزکات فاعلون میں دونوں معنوں کی گنجائش ہے۔زکوۃ اور تزکیہ۔مال کی زکوۃ نکالنے سے روپیہ اور پیسہ پاک وصاف ہوتا ہے اور مالک نصاب کا قلب بھی پاک ہوجاتا ہے۔تزکیہ سے آدمی کا نفس،روح اور باطن پاک ہوجاتا ہے۔یہ دونوں شریعت میں ضروری ہیں۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ و الذین ھم لفروجھم حفظون۔وہ مسلمان جواپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں وہ اپنی بیویوں کے علاوہ دوسری غیر شرعی اور غیر قانونی خواتین سے اپنی شہوت پوری نہیں کرتے۔شریعت مطہرہ سے اس بدکاری کے انسداد اور روک تھام کے لئے ان اسباب اور وسائل پر قدغن لگادی ہے۔جوزنا کاری کا سبب بن سکتے ہیں۔اسلئے قرآن کریم نے تاکید فرمائی لا تقربو الزنا۔ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔زنا کا فعل دنیا میں بھی قابل جرم ہے اور آخرت میں بھی عذاب وعتاب کا مستحق ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب دنیا میں زنا کاری عام ہوجائے تو قیامت آنے کا وقت قریب ہے۔یکثر الزنا

پانچویں صفت ہے و الذین ھم لا ماناتھم و عھدھم راعون۔وہ مسلمان جوامانتوں کی ادائیگی کا پورا پورا خیال کرتے ہیں،امانتوں میں خیانت نہیں کرتے ،امانت کے معنی میں بڑی وسعت ہے۔آدمی جس منصب اور عہدہ پر فائز ہے

اس کے تقاضوں کو پورا کرنا بھی امانت ہے۔اور اگر اس کے تقاضے پورے کر نہیں پا رہا ہے تو وہ خیانت کا مرتکب ہے۔
عہدوں پر اہل اور لائق افراد کو متعین اور فائز کرنا بھی امانت ہے۔غیر اہل اور نا اہل اشخاص کو عہدوں پر فائز کرنا یہ بھی خیانت ہے۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جب نا اہل لوگوں کو عہدوں پر فائز کرنے کی فضا عام ہو جائے تو یہ دنیا ختم ہونے کی علامت ہے۔اذا و سدالامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔کسی نا اہل کو عہدہ ومنصب سونپ دینا یہ بھی امانت میں خیانت ہے،اور کسی اہل اور لائق وفائق آدمی کو عہدہ ومنصب سے محروم کرنا ظلم ہے۔

اور جس آدمی کو جو ذمہ داری عطا کی جائے اور وہ اپنی ذمہ داری پوری نہ کرے تو یہ بھی خیانت ہے۔کسی نے کسی کے سامنے راز کی بات کہی تو اس راز کو راز میں رکھنا بھی امانت ہے،اگر راز کو فاش کیا گیا تو یہ بھی خیانت ہے۔خفیہ مشورہ امانت ہے اس کی تشہیر خیانت ہے،کسی نے اپنا مال کسی کے پاس بطور امانت رکھا تو اس کی حفاظت کرنا اور بغیر کسی تصرف کے واپس لوٹا دینا امانت ہے،اگر واپس نہیں لوٹایا تو یہ خیانت ہے۔یہ ساری امانتیں حقوق العباد سے جڑی ہیں،ان میں خیانت کرنا بہت بڑا گناہ ہے جس کی باز پرس اور سزا آخرت میں ہوگی۔حقوق اللہ مثلاً نماز روزہ وغیرہ کی ادائیگی امانت ہے اس کی عدم ادائیگی خیانت ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس آدمی میں امانت کی صفت نہ ہو تو اس آدمی میں دین ہی نہیں ہے۔لا دین لمن لا امانۃ لہ

چھٹی صفت ہے و عھدم راعون۔ وہ مسلمان جو اپنا عہد پورا کرتے ہیں،مفسرین نے عہد کو معاہدہ کا نام دیا ہے،کسی معاملہ میں طرفین کسی چیز کو لازم ٹھہراتے ہیں اس کو پورا کرنا فرض ہے اور پورا نہ کرنا دھوکہ ہے اور آخرت میں اس کی باز پرس ہوگی۔ان العھد کان مسئولا

عہد کا دوسرا نام وعدہ ہے کسی نے کسی کو کچھ دینے کا وعدہ کیا یا اس کا کوئی کام پورا کرنے کا وعدہ کیا اس کو پورا کرنا نہایت ضروری ہے۔ورنہ یہ وعدہ خلافی ہے اور وعدہ خلافی منافق کی علامت ہے کیونکہ وہ جب کسی سے وعدہ کرتا ہے تو پورا نہیں کرتا۔جب اسے کوئی امانت دی جاتی ہے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔

ساتویں صفت یہ ہے کہ الذین ھم صلوتھم یحافظون۔ وہ مسلمان جو فرض نمازوں کی ادائیگی پر مواظبت اور مداومت اختیار کرتے ہیں اور ان نمازوں کو ان کے اوقات میں ہی ادا کرتے ہیں مذکورہ صفات سے جو مسلمان آراستہ ہیں وہی جنت کے وارث ہوں گے اور اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔الذین یرثون الفردوس وھم فیھا خالدون

سورۃ الدھر میں اللہ کے بندوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ جو نذر مانتے ہیں تو پوری کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی

محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور اس کار خیر کی انجام دہی میں لوگوں سے صلہ و بدلہ اور شکر کے خواہاں نہیں رہتے۔

نذر پیان کے معنی میں ہے اور اس کی شکل یہ ہے کہ آدمی اپنی جانب سے کسی چیز کو اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے، مثلاً روزہ رکھنا، اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا، بزرگوں کے نام پر ایصال ثواب کے لئے کھانا کھلانا، اللہ نے میری فلاں ضرورت پوری کر دی تو میں فلاں کار خیر کو انجام دوں گا۔ اللہ نے مجھے صحت دی یا میرے بچے صحت مند ہو جائیں تو میں اتنے غریبوں کو کھانا کھلا دوں گا۔ نذر کا پورا کرنا واجب ہے اگر کسی نے نذر پوری نہیں کی تو قسم کا کفارہ دینا ضروری ہے (دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا، یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا۔ اور کھلانے اور پہنانے کی استطاعت نہ ہو تو تین دن روزہ رکھنا یا غلام آزاد کرنا، موجودہ زمانے میں غلام تو نہیں ہیں غلام کو قیدی پر قیاس کیا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ بے گناہ قیدی کو قید سے آزاد کرانا۔

سورۂ حشر میں مکہ کے مسلمان مہاجرین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ اور رسول کی محبت اور رسول کی نصرت اور دین کی حمایت کے خیال سے اپنے وطن مکہ مکرمہ سے ہجرت کی۔ اور وہیں پر اپنے مال اور اسباب، گھر بار جائیداد سب کچھ چھوڑ دیا، اور مدینہ منورہ چلے آئے۔ اس ہجرت میں مہاجرین کی کوئی دنیاوی غرض اور ذاتی منفعت نہ تھی۔

اس سورۂ حشر میں مدینہ منورہ کے مسلمان انصاریوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچنے والے مسلمانوں کو فراخ دلی اعلیٰ ظرفی اور وسعت ذہنی کے ساتھ صرف اور صرف اللہ و رسول کی خوشنودی کی خاطر اپنے شہر میں اور اپنے گھروں میں اقامت اور رہائش کے تمام تر سامان فراہم کئے اور ہر طرح سے ان مسلمانوں کی دلجوئی کی اور مکمل طریقہ سے اخلاقی اور مالی تعاون دیا اور بعض حالات اور اوقات میں وہ خود ضرورت مند ہونے کے باوجود مہاجرین کی ضرورتوں کو پورا کیا اور ان کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھا اور اس طرح بھرپور دلی ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا۔ جس کا نظارہ چشم فلک نے پھر نہیں دیکھا۔ و یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصه

سیاق میں اہل ایمان کی صفات و اعمال پر مشتمل آیات کے انتخاب پیش کرنے کے بعد اہل نفاق کی صفات و اعمال کی نشاندہی کرنے والی چند آیتوں کا انتخاب شاید بے محل اور بے سود نہ ہوگا تاکہ ایک مسلمان ان آیات کو پڑھتے ہوئے غور و فکر کرے کہ کہیں یہ صفات و اعمال شعوری اور غیر شعوری طور پر اس کی زندگی کا حصہ تو نہیں ہیں۔

نفاق دورخی گفتار و کردار کا نام ہے اور یہ ایک بدترین مغالطہ آمیز رویہ ہے۔ جس شخص کے قول و عمل میں دورخا پن رہے

اس کا ظاہر، باطن سے اور باطن ظاہر سے مختلف اور متضاد رہے تو اس کو منافق کہا جاتا ہے۔ جس کے دل میں کچھ اور منہ پر کچھ ہوتا ہے یہ بھی ایک جھوٹ ہے، قرآن کریم نے ایسے لوگوں کے متعلق سے یہ صراحت کی ہے یقولون بانفسھم ما لیس فی قلوبھم۔ ان کی زبانیں جو کہتی ہیں وہ ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

قرآن کریم میں اہل نفاق کی صفات اور اعمال کو کسی جگہ اختصار کے ساتھ کسی جگہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ بقرہ کے دوسرے رکوع میں ہے۔ واذالقوالذین امنو واذا خلو الی شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزئون۔ جب یہ منافق اہل ایمان سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں ہم آپ ہی کے ہیں اور آپ ہی کے ساتھ ہیں تا کہ اہل ایمان ان لوگوں کو اپنی جماعت کا حصہ اور جز خیال کریں۔ اور جب اپنے گروہ سے جا ملتے ہیں تو بھی یہی کہتے ہیں دراصل ہم آپ ہی کے ہیں اہل ایمان کے ساتھ جو محبت والفت دکھائی گئی وہ تو ایک مذاق اور تمسخر تھا۔ واذاقیل لھم لا تفسدو فی الارض قالو انما نحن مصلحون۔ اس سورۃ میں اہل نفاق کی ایک صفت یہ بتلائی گئی ہے۔ جب ان کا شر اور فساد نمایاں ہو جاتا ہے تو ان کو فساد سے باز رہنے کی بات کہی جاتی ہے تو جواب یہ دیتے ہیں کہ ہم اصلاح اور تعمیر کے داعی اور عامل ہیں، تخریب سے ہمارا واسطہ نہیں ہے اور ان کا فساد اصلاح وتعمیر کے پیرایہ میں ہوتا ہے جیسا کہ اس پہلو کی نشاندھی سورۃ توبہ میں کی گئی ہے۔

منافقین نے مدینہ منورہ میں قباء کے محلّہ میں ایک مسجد تعمیر کی اور بارگاہ نبویت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اس محلّہ میں موجود مسجد قباء چھوٹی ہے، نمازیوں کی کثرت ہے آبادی بڑھ گئی ہے سارے لوگوں کا قباء میں نماز پڑھنا مشکل ہے اور ضعیفوں بیماروں کا مسجد تک پہنچنا مشکل ہے اس لئے ہم نے یہ مسجد تعمیر کی ہے، آپ اس مسجد میں تشریف لایئے اور امامت فرمایئے تو یہ مسجد برکت والی ہو جائے گی۔ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کی تیاری میں مصروف تھے، ارشاد فرمایا اس وقت سفر درپیش ہے واپس لوٹنے کے بعد مسجد پہنچیں گے۔ نبی کریم ﷺ تبوک کے سفر سے واپس لوٹے تو اس مسجد میں جانے کا ارادہ فرمایا اس وقت اللہ نے وحی نازل کی۔ لا تقم فیہ ابدا۔ آپ اس مسجد میں قدم نہ رکھیں یہ تو منافقین کی کمین گاہ ہے اس کی تعمیر مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کے لئے اور اللہ ورسول کے خلاف سازشیں رچانے کے لئے کی گئی ہے۔ اس اطلاع وآگہی کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس مسجد کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔

مفسرین نے لکھا ہے منافقین مدینہ نے ابو عامر راہب نصرانی کے ساتھ خفیہ تعلقات قائم کر رکھے تھے اسی نے خط کے ذریعہ منافقین کو یہ خبر دی تھی کہ میں کوشش کر رہا ہوں کہ قیصر روم مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو جائے ،تم لوگوں کے درمیان

اجتماعیت ہونی چاہئے اور اپنے اندر اجتماعی قوت پیدا کرنی چاہئے تا کہ تم لوگ قیصر کی مدد کر سکو۔لہذا اس مشن کی تکمیل کے لئے مدینہ میں ایک مسجد تعمیر کرواور اس میں بیٹھ کر باہمی مشوروں کے ذریعہ خفیہ منصوبوں کی تکمیل کرو۔اس سے مسلمانوں کو تمہارے بارے میں کوئی شک وشبہ بھی نہ ہوگا۔

قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی سورت الماعون ہے جس میں اہل کفر ونفاق کی مشترک صفات اور اعمال کا تذکرہ ہے۔وہ اعمال یہ ہیں۔یتیم کی توہین اور تذلیل کرنا اور اس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آنا،غریب ومسکین اور محتاج کو مالی قوت رہنے کے باوجود کھانا نہیں کھلانا،اور محتاج ومسکین کو کھلانے پلانے کی ترغیب دوسرے لوگوں کو نہیں دینا۔نماز پڑھنے میں سستی و کاہلی اور ریاکاری ظاہر کرنا۔ماعون برتنے کی چھوٹی بڑی چیزوں کو کہتے ہیں،لوگوں کے مانگنے پر یہ چیزیں عاریۃً فراہم کرنا ایک اخلاقی رویہ تصور کیا جاتا ہے اور عموماً لوگ ایک دوسرے سے ایسی چیزیں مانگتے ہیں اور لوٹا دیتے ہیں ،لیکن کفار و مشرکین اور منافقین کے بخل اور کنجوسی کا یہ عالم ہے کہ ایسی معمولی ضروری چیزوں کو بھی لوگوں کے مانگنے پر بھی دینے سے گریز کرتے ہیں۔

حاصل کلام سیاق میں چند ایسی آیتوں کو نقل کیا گیا ہے جن میں اہل ایمان ،اہل کفر ونفاق کے اوصاف اور اعمال کا ذکر ہے،اور یہ آیتیں ہمارے پیش نظر موضوع سے اس طرح مطابقت رکھتی ہیں کہ اگر کوئی مسلمان مذکورہ آیتوں کی تلاوت غور و فکر اور تدبر و تفکر کے ساتھ کرنے لگے تو اس پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ وہ کن صفات سے متصف ہے اور اس کی ذات سے کس نوع کے اعمال کا صدور ہو رہا ہے اور کس گروہ میں اس کا شمار ہو سکتا ہے بالواسطہ یہی اس کی زندگی کی تصویر ہے اور یہی اس کا ذکر ہے جس کے تعلق سے اللہ نے کہا۔لقد انزلنا کتاباً فیه ذکر کم افلا تعقلون۔ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا ذکر ہے،کیا تم غور نہیں کرتے۔

اس پہلو کی مزید وضاحت حضرت احنف بن قیس کے ایک واقعہ سے ہوتی ہے۔حضرت احنف ایک جگہ تشریف فرما تھے جہاں کوئی صاحب سورۃ انبیاء کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کی آواز آپ کے پردہ سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔جب قاری قرآن تلاوت میں لقد انزلنا کتاباً فیه ذکر کم افلا تعقلون۔پر پہنچے تو حضرت احنف کے کان کھڑے ہو گئے۔کہنے لگے کہ قرآن کریم میں ہمارا ذکر ہے،میں بھی تو دیکھ لوں قرآن کریم میں میرا تذکرہ کہاں ہے اور مجھے کس نظر سے دیکھا گیا ہے اور مجھے کس گروہ میں شمار کیا گیا ہے۔اپنے ایک مصاحب سے فرمایا۔قرآن کریم لے آیئے

حضرت احنف بن قیس کوئی سادہ لوح عامی شخص نہ تھے بلکہ وہ تو ایک جید عالم وفاضل آدمی تھے انہوں نے صحابہ کرام کی

صحبت پائی تھی جس کی برکت سے زمرۂ تابعین میں شامل تھے، اور وہ عربی النسل تھے عربی ان کی مادری زبان تھی اور اس زبان کے ادب پر انہیں کامل قدرت اور مکمل دسترس تھی اور وہ قرآن کریم کے معانی و مطالب کو خوب جانتے اور سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے بڑے غور و فکر کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت شروع کی۔ سورۃ المومنون کی ابتدائی آیات پر نظریں ٹھہر گئیں اور ان آیتوں میں غور کرتے رہے اور یہ سوچتے رہے کہ کیا میری ذات اور میرا نفس ان صفات سے متصف ہے جو ان آیتوں میں بیان کی گئی ہیں اور کیا مجھ سے یہ اعمال صادر ہو رہے ہیں جن کی وضاحت ان آیات میں ہو رہی ہے۔ پھر کہہ اٹھے انی لا اجد نفسي هو لاء۔ میں خود کو اہل ایمان کے اس زمرہ میں نہیں پاتا ہوں۔ پھر آپ نے تلاوت شروع کی تو آپ کی نگاہیں سورۃ الفرقان کی آخری دس آیتوں پر مرکوز ہو گئیں جن میں بندگانِ خدا کے اوصاف اور اعمال کا ذکر رہا۔ یہاں بھی آپ نے اپنی کسر نفسی اور فروتنی کے باعث فرمایا میں اپنی ذات کو رحمان کے ان بندوں میں کیسے شمار کر سکتا ہوں۔

پھر آپ نے تلاوت شروع کی تو آپ کی نظروں سے صحابہ کرام، اولیائے کرام، زاہدین، مجاہدین، مہاجرین اور انصاریوں کے حالات اور واقعات گذرنے لگے۔ آخر کار اس ورق گردانی میں آپ کی نظریں سورۃ توبہ کی اس آیت کریمہ پر مستقل رک گئیں تو فرمایا ہاں اس آیت میں میرا تذکرہ ہے اور اس میں میری زندگی کی تصویر ہے۔ واخـرون اعتـرفـوا بذنوبهم خلطوا عملا صالحا وآخر سيئا عسى الله ان يتوب عليهم ان الله غفور رحيم

کچھ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، ان کے اعمال مخلوط ہیں، کچھ نیک ہیں اور کچھ بد، بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر مہربان ہو جائے کیونکہ وہ درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

حضرت احنف بن قیس کی سیرت و سوانح کے مطالعہ سے یہ حقیقت بخوبی آشکار ہو جاتی ہے کہ آپ ایمان و استقامت، تقویٰ و طہارت، ولایت و کرامت، علم و عمل کے اعتبار سے ایک بلند درجہ پر فائز تھے۔ یہی ایک فضیلت کیا کم ہے کہ آپ کی ذات گرامی کو تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے، جو دین میں صحابیت کے بعد ایک اعلیٰ ترین مقام ہے۔ یہ مرتبہ بلند ملا جس کو ملا لیکن اس کے باوجود حضرت احنف نے اپنے آپ کو ایک ایسی جماعت میں شامل کرنا پسند کیا جس نے اپنے قصوروں کا اعتراف کیا ہے، اور اپنے اچھے اور برے عمل کا اقرار کیا، اور یہ حضرت احنف بن قیس کی فروتنی و عاجزی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان حضرات کرام کی روش اور رویہ اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

واخر دعونا ان الحمد لله رب العالمين

جواھر الحدیث

ایاکم والحسد ۔ حسد سے بچو

مولوی حافظ ڈاکٹر ابوالنعمان بشیر الحق قریشی

یم اے پی ایچ ڈی

استاذ دارالعلوم لطیفیہ ویلور

انسان کی ذات وشخصیت کی پہچان اسکے اوصاف وصفات، عادات واطوار اور اعمال کے حوالہ سے ہوتی ہے۔ اگر اس کی صفات وعادات نیک ہوں تو ان کے اثرات اور کیفیات کی وجہ سے نیک اعمال کا صدور ہوتا ہے، اگر اس کی عادات وصفات نیک نہ ہوں تو ان کے اثرات اور کیفیات کی وجہ سے اعمالِ بد کا صدور ہوتا ہے، یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے، جس کا مشاہدہ عام ہے، سماج میں وہ انسان مشہور ومعروف رہتا ہے اور لوگوں کی زبانوں پر اس کا ذکرِ خیر جاری رہتا ہے، جس کی صفات عمدہ اور اس کی عادات پسندیدہ ہوں یہاں تک کہ وہ انسان دنیا سے چلے جانے کے بعد لوگ اس کے محاسن اور مکارم اخلاق اور اعمالِ نیک کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں اور جو انسان مذموم صفات اور رزیل خصائل وعادات سے متصف رہتا ہے تو لوگوں کی زبانوں پر اس کی بد اخلاقی اور بد عملی کا تذکرہ رہتا ہے، اس کے مرنے کے بعد لوگوں کی زبانیں اس کی برائیوں کے اظہار سے بند ہو جاتی ہیں اور یہ پہلو بھی جو سامنے آرہا ہے وہ نبی کریم ﷺ کے فرمانِ مبارک کا صدقہ اور طفیل ہے کہ آپ نے امت کو تاکید فرمائی۔ اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساوھم ۔ اموات کا ذکر صرف ان کے محاسن و مکارم اور نیک اعمال کے حوالہ سے کرو اور مرے ہوئے لوگوں کی بداخلاقیوں اور بداعمالیوں کے اظہار سے اپنی زبانوں کو بند رکھو۔

انسان کی نیک طینت، نیک صفات اور نیک اعمال کا تعلق صرف اس کی دنیا ہی سے نہیں ہے بلکہ اس کی آخرت سے بھی ہے اور وہاں بھی وہ اجر وثواب کا مستحق قرار پاتا ہے اس طرح انسان کے مذموم اوصاف اور رزیل خصلتوں اور گندے اعمال کا تعلق صرف اس کی دنیا ہی سے نہیں ہے بلکہ اس کی آخرت سے بھی ہے اور

وہاں بھی وہ عذاب وعتاب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

مذموم صفات وعادات کے عادی خوگر بداخلاق انسان سے جو مادی اور روحانی نقصانات ہوتے ہیں ان سے وہ خود بھی متاثر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے اہل خاندان، اہل محلّہ، اہل قرابت، دوست واحباب بلکہ سارا سماج متاثر ہوجاتا ہے اور اس کی وجہ سے کئی ایک مسائل اور مشکلات کھڑی ہوجاتی ہے اسلئے شریعت مطہرہ میں مذموم صفات اور رزیل اوصاف کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا اور ان کی اصلاح اور خاتمہ کی تعلیم وتلقین کی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے یہاں تک کہہ دیا کہ میں دنیا میں مکارم اخلاقیات کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ بعثت لا تمم مکارم الاخلاق۔ اس حدیث کا سیدھا سادہ عام فہم مطلب یہ ہوا کہ میں لوگوں کو غیر اسلامی اخلاقیات سے دور کرنے اور ان کو اسلامی اخلاقیات سے آراستہ و پیراستہ کرنے کے لئے آیا ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم اور احادیث کے ذخیرہ میں نیک صفات ونیک اخلاق اور بری صفات اور برے اخلاق کی ایک طویل فہرست ملتی ہے جن کے مطالعے سے آدمی بڑی آسانی کے ساتھ نیک و بداخلاق کو بخوبی پہچان سکتا اور تمیز کرسکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے نبوی فرائض میں سے ایک فرض یہ بھی رہا ہے کہ آپ لوگوں کا تزکیہ فرماتے ہیں۔ ویزکیھم۔ تزکیہ کا مطلب ہے کہ لوگوں کو بری اور گندی صفات اور قبیح عادات سے دور رکھنا اور انہیں صفاتِ حسنہ اور اخلاق حسنہ کا پیکر بنادینا، چنانچہ نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت صوفیاء اور مشائخ کرام نے مسلمانوں میں بیعت وارادت کی راہ سے لوگوں کے نفوس اور قلوب کے تزکیہ کا عمل جاری کیا تاکہ مسلمان ظاہری گناہوں سے محفوظ رہنے کے ساتھ ساتھ باطنی گناہوں سے بھی محفوظ رہ سکیں، کیونکہ نفس اور روح کی گندگیوں وآلودگیوں اور باطن کے گناہ کی طرف عوام ہی نہیں بسا اوقات خواص بھی توجہ نہیں دیتے حالانکہ ظاہری گناہوں اور محرمات سے اجتناب کرنا جیسا ضروی اور واجب ہے ویسا ہی باطنی گناہوں سے بھی اجتناب کرنا ضروری اور واجب ہے۔ باطنی گناہ جو صفات ذمیمہ سے عبارت ہے اور یہی وہ صفات ہیں جو ظاہری گناہوں کے ارتکاب کا سبب ہوا کرتی ہیں۔ اسلئے شریعت مطہرہ میں وہ چیز بھی حرام قرار پائی جاتی ہے جو کسی حرام فعل کے ارتکاب کا سبب بن رہی ہو۔ ما یوصل الی الحرام فھو حرام۔

صفات اور اوصاف کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بھی اس طرح قائم ہے کہ وہ نیک صفات کو پسند کرتا ہے۔ اور جو بندے ان صفات سے متصف اور آراستہ ہوتے ہیں ان سے خوش ہوتا ہے اور ایسے بندوں کے ساتھ اپنی

خوشنودی ظاہر فرماتا ہے اور انہیں اپنی رحمت سے نوازتا ہے اور اللہ تعالیٰ بری صفات کو ناپسند کرتا ہے اور جو بندے بری صفتوں کو اپنا لیتے ہیں ان سے ناخوش ہوتا ہے اور اپنی ناراضگی ظاہر فرماتا ہے اور انہیں رحمت سے محروم کردیتا ہے۔قرآن کریم میں نیک بندوں کے اوصاف اور غیر صالح افراد کے اوصاف کو چیدہ چیدہ مختلف آیتوں میں بیان کیا گیا ہے جن سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں کن صفات کو دیکھنا چاہتا ہے اور کن صفات کو دیکھنا نہیں چاہتا۔صفاتِ حسنہ میں سے چند یہ ہیں جو اسلام میں مطلوب اور محمود ہیں۔

(۱) زبان و دل اور عمل میں صدق وسچائی (۲) سخاوت (۳) شجاعت (۴) عدالت (۵) امانت (۶) عفو (۷) حلم (۸) تواضع (۹) حیا (۱۰) عفت وغیرہ

صفات سیئہ میں سے چند یہ ہیں جو اسلام میں غیر مطلوب اور غیر محمود ہیں۔مثلاً (۱) جھوٹ (۲) جھوٹی قسم (۳) جھوٹی گواہی (۴) بہتان (۵) غیبت (۶) بدگوئی (۷) چغل (۸) بدگمانی (۹) بددیانتی (۱۰) خیانت (۱۱) حرص (۱۲) طمع (۱۳) کینہ (۱۴) دشمنی (۱۵) تکبر (۱۶) بغض (۱۶) حسد وغیرہ

حسد ایک ابلیسی صفت ہے،اس صفت کا وجود اور ظہور سب سے پہلے ابلیس کی ذات سے ہوا چنانچہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملنے والے منصب خلافت کو اور ان کے اعزاز وتکریم کو دیکھا تو اپنی ذات اور شخصیت کا جائزہ اس پہلو سے لیا کہ میری تخلیق آگ سے ہوئی ہے اور آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔اور مٹی آگ کے مقابلہ میں کمتر چیز ہے اور وہ زوال وپستی کی طرف مائل ہوتی ہے اور آگ مٹی کے مقابلے میں برتر شئے ہے اور بلندی ورفعت کی طرف مائل ہوتی ہے لہذا میں اپنی تخلیقی صفت کے اعتبار سے آدمؑ سے افضل اور برتر ہوں اور وہ مجھ سے کمتر ہے۔اسی فوقیت وبرتری اور افضلیت کے جذبہ واحساس نے ابلیس کے اندر حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں حسد پیدا کردیا۔اسی حسد کی وجہ سے تکبر میں مبتلا ہوگیا اور اسی تکبر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی پر آمدہ ہوگیا اور وہ کافروں میں ہوگیا۔و کان من الکافرین۔ابلیس کو ملعون کے درجہ تک پہنچانے والی چیز صرف حسد ہے چنانچہ حسد سے تکبر،تکبر سے معصیت،معصیت سے کفر اور کفر سے لعنت یعنی رحمت خداوندی سے دوری ومحرومی میں گرفتار ہوگیا۔یہ ساری صفتیں اور حالتیں صرف حسد کے باعث وجود میں آئیں۔

حسد کا یہ اولین واقعہ جس میں ابلیس حاسد اور حضرت آدم علیہ السلام محسود رہے،اس واقعہ کا تعلق ہماری مادی اور انسانی دنیا سے کم اور ملکوتی دنیا سے زیادہ قریب ہے۔انسانی زندگی میں حسد کا پہلا واقعہ حضرت آدم علیہ

السلام کے دو بیٹوں کے درمیان پیش آیا جسمیں قابیل حاسد رہا اور ہابیل محسود رہا۔ قابیل حسد ہی کے جذبہ سے مغلوب ہو کر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا اور وہ دنیا میں پہلا حاسد ہونے کے ساتھ پہلا قاتل بھی ٹھہرا۔ اور ہابیل دنیا کا پہلا مقتول قرار پایا۔ قرآن کریم میں قابیل اور ہابیل کے مذکورہ واقعہ کو سورۃ مائدہ میں بیان کیا گیا ہے۔ وتل علیهم نبا ابنی ادم بالحق اذقرباقرباناًفتقبل من احدهما ولم يتقبل من الآخر قال لا قتلنك قال انما يتقبل الله من المتقين۔ اے نبی! ذرا ان یہودیوں کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ من وعن اور بے کم وکاست سنا دیجئے جب ان دونوں نے اپنی اپنی قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قربانی قبول نہیں کی گئی، اس پر قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کہا میں تجھے قتل کر دوں گا اس نے جواب دیا اللہ تعالیٰ متقیوں کی قربانی قبول کرتا ہے، اگر تو میرے قتل کے درپے ہو جائے تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا قتل کا اقدام پہلے تیری جانب سے ہو تو ہو، لیکن میں اپنی طرف سے یہ ظالمانہ قدم نہیں اٹھاؤں گا۔

روئے زمین پر قتل کا یہ جو پہلا واقعہ پیش آیا اس کے پیچھے حسد ہی کا جذبہ کارفرما تھا۔ یہاں گفتگو کا موضوع صرف حسد ہے جو ایک بنیادی اخلاقی مرض ہے جس کے بطن سے کئی ایک اخلاقی خرابیاں وجود میں آتی ہیں جس کی مثال ابلیس کے تذکرہ میں آچکی ہے۔ حسد ایک ایسا وصف ہے جو کسی آدمی میں پایا جائے تو اس کے اثر سے حاسد کئی ایک مذموم صفات سے متصف ہو جاتا ہے اور حسد کی وجہ سے آدمی کے اندر کینہ، بغض، حرص، نفرت، تحقیر، تذلیل، انتقام، بے ادبی، ایذا رسانی اور نہ معلوم وہ کن کن صفات سے مانوس اور متصف ہو جاتا ہے اور کن کن اعمال فاسدہ کا مرتکب ہو جاتا ہے اور محسود کے خلاف کیا کیا اقدامات کرتا ہے۔ سیاق میں ہونے والی گفتگو سے حسد کا معنی اور مطلب کسی قدر مجمل طور پر واضح ہو چکا ہے تاہم اس کی مزید تفصیل اور تشریح کی ضرورت باقی ہے۔ حاسد وہ شخص ہے جو حسد میں مبتلا ہو، محسود وہ شخص ہے جس پر حسد کیا جا رہا ہو، حسد یہ ہے کہ حاسد کے دل میں کسی شخص کو ملنے والی دنیاوی نعمت یا اخروی نعمت کو دیکھ کر جلن اور گھٹن پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی یہ نیت ہوتی ہے کہ اس شخص سے یہ نعمت چھن جائے اور وہ اس نعمت سے محروم ہو جائے، اس کے ساتھ ساتھ حاسد کے دل میں محسود کی ذات سے کینہ اور بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس سے ناخوش رہتا ہے اور اس کے ساتھ بظاہر زبان سے خوشی کا اظہار کرتا ہے لیکن دل میں کچھ اور زبان پر کچھ کی حالت اور کیفیت سے دوچار رہتا ہے اور اس طرح سے وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر منافق کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے۔ ہماری روزمرہ

سماجی زندگی میں کثرت سے ایسی مثالیں دیکھنے اور سننے کو ملتی ہیں ۔مثلاً کسی صاحب کو مال و دولت کی فراوانی حاصل ہوجائے تو ان کے دوست ہو یا دشمن یا دوست نما دشمن جو اعلیٰ ظرف کے مالک نہیں ہیں، صاحب دولت و ثروت سے حسد میں مبتلا ہوجاتے ہیں، پھر ان کی زبانیں بھی خوب خوب چلنے لگتی ہیں بمصداق جہاں جائیں تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں، کل تک تو یہ صاحب کچھ بھی نہ تھے یہ اچانک کاریں، عمارتیں دوکانیں وغیرہ کیسے آ گئیں ،کیا کوئی جادو کی چھڑی مل گئی ہے، پھر یہ کرم فرما اشخاص، صاحب نعمت و دولت کے تعلق سے اپنی لسانی اور عملی تحقیق و تفتیش شروع کر دیتے ہیں جس کو قرآن میں تجسس کہا گیا ہے اور اس کا شرعی حکم بھی سنایا گیا ہے۔ولا تجسوا کس کے امور و معاملات میں تجسس کے در پے نہ جاؤ، پھر تجسس کے ساتھ ساتھ غیبت کا باب بھی کھول دیا جاتا ہے اس کے تعلق سے قرآن میں یہ ہدایت کی گئی ہے آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ولا یغتب بعضکم بعضا

مال و دولت کے علاوہ کسی صاحب کو حکومت و سیاست میں کوئی اعلیٰ عہدہ مل جائے یا کسی کو علم و ادب اور فضل و ہنر کی دنیا میں بلند مرتبہ مل جائے یا کسی بھی نوعیت کی ترقیات سے بہرہ ور ہوجائے یا کسی کو معیاری ،مادی، آرائشی سہولت مل جائے تو یہ نعمتوں، راحتوں، رفعتوں، منزلتوں، عزتوں اور مقبولیتوں کو دیکھ کر دل میں چبھن اور گھٹن اور جلن محسوس کرنا اور ان اصحاب نعمتوں کی نعمتوں کے زوال وفنا کے خواہاں اور جویاں رہنے کا نام ہی حسد ہے۔جو حاسد کو ایک کے بعد دیگرے گوناگوں گناہوں کے دلدل میں پھنسا دیتا ہے۔

مشہور شارح حدیث امام نووی نے حسد کی مختصر اور جامع تعریف یہ ہے کہ صاحب نعمت کی نعمت کے زوال کی تمنا کرنا خواہ وہ دین کی نعمت ہو یا دنیا کی نعمت۔هو تمنى زوال النعمة عن صاحبها كسواء كانت نعمة دين او دنيا۔ حسد کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ حاسد کے دل کی کیفیت اور تمنا یہ ہوتی ہے کہ بھلے یہ نعمت مجھے ملے نہ ملے لیکن محسود کی نعمت زوال وفنا سے ہم کنار ہوجائے۔یہی جذبہ و کیفیت حسد ہے اور یہی گناہ ہے جس کو شریعت میں ناپسندیدہ اور غیر محمود قرار دیا گیا ہے۔حسد کا ظہور ایک فرد ہی سے نہیں پوری جماعت سے بھی ہوتا ہے جیسا کہ یہودیوں کے سامنے جب یہ حقیقت نمایاں اور روشن ہوگئی کہ وہ لوگ جس نبی موعود کی آمد کا انتظار کر رہے تھے اس کا ظہور بنی اسرائیل میں نہیں ہوا ہے بلکہ بنو اسماعیل میں ہوا ہے تو انہوں نے اپنے دلوں میں حضور اکرم ﷺ کی بعثت پر جلن اور گھٹن محسوس کی اور حسد میں مبتلا ہوگئے کیونکہ وہ نبوت کے مسئلہ میں اس احساس برتری اور فخر و پندار میں گرفتار تھے کی نبوت کا استحقاق صرف بنی اسرائیل ہی کو ہے اور وہی اس

شرف واعزاز کے حقدار ہیں۔جب یہ نعمت بنو اسماعیل میں چلی گئی تو وہ دیکھ نہ سکے۔اور حضور اکرم ﷺ کے مخالف اور معاند بن گئے حالانکہ حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے یہود آپ کے ثناء خواں تھے اور اپنی مصیبتوں میں آپ کے نام کی دہائی دے کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے تھے اور آرزومند تھے کہ سیدنا محمد عربی ﷺ کی آمد اور آپ کی وجود مسعود کے باعث اللہ تعالیٰ انہیں فتح ونصرت عطا فرمائے گا۔لیکن یہ جذبہ حسد کی کارفرمائی تھی کہ یہودیوں کی اکثریت نے نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت اسلام نہیں کی اور دنیا کی نعمت اور آخرت میں نجات سے محروم ہو گئے۔

حسد کی یہی وہ پہلی صورت ہے جو حاسد کے لئے انتہائی درجہ مہلک اور تباہ کن ہے۔اس ہلاکت خیزی کی انتہائی نقطہ یہ ہے کہ حاسد کی آخرت تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور وہ اللہ کے حضور اس حالت میں جا کھڑا ہو جاتا ہے کہ حسد کی آگ اس کی ساری نیکیوں کو جلا کر خاکستر کر دی ہو گی۔اس افسوسناک حالت سے محفوظ رہنے کے لئے نبی کریم ﷺ نے تاکید فرمائی، حسد سے بچو کیونکہ وہ حاسد کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ایا کم والحسد فان الحسد یا کل الحسنات کما تاکل انھار الحطب

حسد کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ حاسد کسی کو ملنے والی نعمت کے زوال وفنا کا خواہاں نہیں رہتا، البتہ وہ دل میں اس نعمت کی یافت اور حصول کا متمنی اور خواہش مند رہتا ہے، جس کے حصول کے لئے وہ کوشاں رہتا ہے۔شرع شریف میں ایسا جذبہ اور اس کی تکمیل کی سعی و کاوش پسندیدہ ہے۔چنانچہ نبی کریم ﷺ نے دو آدمیوں پر حسد کرنے کی اجازت عطا کی ہے۔ایسے حسد کو عربی زبان میں غبطہ کہا جاتا ہے اور اردو زبان میں رشک کہا جاتا ہے اور یہ اباحت ورخصت پر مبنی پسندیدہ حسد ہے۔

لا حسد الا فی اثنین رجل اتاہ اللہ مالا فسلط علی ھلکۃ فی الحق و رجل اتاہ اللہ الحکمۃ فھو بقیض بھا و یعلمھما۔

ایک وہ شخص ہے جسکو اللہ نے دولت عطا کی اور وہ اپنی دولت کو غریبوں محتاجوں، بیماروں، مسافروں اور مصیبت زدہ لوگوں پر صدقہ وخیرات کر رہا ہے اور دین حق کی سربلندی میں اپنا مال خرچ کر رہا ہے۔

دوسرا وہ شخص ہے جس کو اللہ نے علم وحکمت اور دین میں تفقہ وبصیرت کی نعمت عطا کی ہے اور وہ اپنے علم سے درس وتدریس، وعظ ونصیحت، تقریر وتحریر کے ذریعہ لوگوں کو نفع پہنچا رہا ہے اور ایک جہاں اس کے علوم و معارف سے بہرہ ورہو رہا ہے اور اس کی تعلیم وتلقین اور تزکیہ کے باعث لوگ علم وعمل اور اخلاق حسنہ سے آراستہ

ہو رہے ہیں اور نیکیاں پھیل رہی ہیں۔

اس مزاج اور منہاج کے جو صاحب دولت اور صاحب علم ہیں ان کی دینداری اور علم پروری کے باعث ان دونوں آدمیوں پر رشک کرنے کی اجازت مل گئی اور اس رشک وحسد کو بھی صرف دین تک محدود رکھا گیا ہے اور اگر دنیا کے معاملہ میں عمومی سطح پر رشک کی اجازت دی جاتی تو رشک کا یہ جذبہ حرص اور طمع کی صورت اختیار کر جاتا پھر حرص وطمع سے مسابقت اور فوقیت کے جذبات ابھرتے اور کئی ایک فتنے ابل پڑتے اسی لئے شریعت مطہرہ نے یہ بات کہی ہے کہ آدمی دین کے معاملہ میں اپنے سے برتر شخص کی طرف نظر کرے اور دنیا کے معاملہ میں اپنے سے کم تر شخص کی طرف نظر کرے۔ اس کی حکمت ومصلحت اور افادیت حضرت ابوذر غفاری کی ایک حدیث سے نمایاں اور واضح ہوسکتی ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میرے حبیب ﷺ نے مجھے یہ وصیت فرمائی۔ امرنی ان انظر الی من ھو دونی ولاانظر الی من ھو فوقی۔

اے ابوذر! ہمیشہ سے اپنے کم تر اور کمزور آدمی کی طرف نظر رکھنا اور اپنے سے برتر طاقتور آدمی کی طرف نگاہ نہ ڈالنا۔

اس وصیت کی وضاحت کے لئے عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت کردہ ایک حدیث بڑی معاون ثابت ہو رہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس آدمی کے اندر یہ دو خصلتیں اور صفتیں موجود ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کو شاکر اور صابر قرار دیتے ہیں۔

جس آدمی نے دین کے معاملہ میں اپنے سے زیادہ دین دار اور دین میں اپنے سے اونچے درجہ سے فائز شخص کو دیکھا اور اس سے اپنا موازنہ اور تقابل کیا تو وہ اپنے آپ کو اس دین دار شخص سے کم تر اور کم درجہ کا دیندار خیال کرے گا اور اپنے آپ کو اس درجہ کا دیندار بنانے کے لئے اس شخص کی اقتداء اور پیروی کرے گا۔

اور دوسرا وہ شخص جو دنیا کے معاملہ میں اپنے سے کمتر آدمی کی طرف نظر کیا اور اس سے اپنا موازنہ اور تقابل کیا تو وہ یہ محسوس کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس ضعیف وکمزور اور سامان عیش وعشرت سے محروم آدمی کے مقابلے میں اس سے بہتر اور برتر رکھا ہے اور اس پر خدا کا شکر ادا کرے گا۔

ایسے دو آدمیوں کو اللہ تعالیٰ شاکر اور صابر کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ان دونوں کو شکر اور صبر کی وجہ سے بہترین جزاء عطا فرماتے ہیں۔

اس کے برعکس جو شخص دین کے معاملہ میں اپنے سے کمتر اور کم درجہ آدمی کی طرف نظر کرے گا تو اس کے

اندر یہ احساس پیدا ہوگا کہ دینی اموراور دینی احکام پر عمل کے معاملہ مین میں ہی اس شخص سے بہتر ہوں اور وہ اس احساس برتری کے باعث دین کے معاملہ میں آگے بڑھنے سے رک جائے گا اور اس کی دینی وروحانی پرواز رک جائے گی اور وہ عمل میں سست ہوجائے گا۔

اور جو شخص دنیا کے ساز وسامان اور اسباب عیش وعشرت میں اپنے سے برتر اور بلند درجہ آدمی کی طرف نظر کرے اور اس کے ساتھ اپنا موازنہ کرے تو اس کے اندر دنیاوی چیزوں میں اپنی قلت اور تہی دامنی کا احساس ہوگا اور وہ طمع کا شکار ہوجائے گا اور اسے ہمیشہ احساس کمتری کی فکر اور خیال ستاتا رہے گا کہ مجھے فلاں فلاں چیزیں حاصل نہیں ہیں اور وہ ہمیشہ افسوس کرتا رہے گا۔اور جو کچھ نعمتیں اس کے پاس ہیں ان کی شکرگزاری سے محروم ہوجائے گا اور اس طرح سے وہ کفران نعمت کا مرتکب ہوجائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے حسد کو ایک بیماری قرار دیا ہے، یہ کوئی جسمانی بیماری نہیں ہے قلبی مرض ہے، حسد کے علاوہ اور بھی مختلف ومعتدد اور متعدی قلبی بیماری ہیں جن میں لوگ گرفتار ہیں، ان بیماریوں کے ازالے کی ایک صورت یہ ہے کہ آدمی کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہے۔ ہمیشہ اپنی موت کو یاد کرتا رہے جیسا کہ ایک حدیث میں اس پہلو کی صراحت اور وضاحت ہے۔قال کثرۃ ذکر الموت و تلاوۃ القرآن۔(مشکوۃ)

امام غزالی کی معروف کتاب احیاء العلوم میں امراض قلب کی ایک طویل فہرست ملتی ہے جن میں سے چند بیماریوں کے نام یہ ہیں۔کینہ، بغض، حسد، تکبر، غرور، حرص، طمع، نفرت، عداوت، غیبت، خوشامدی کرنا، اپنی تعریف کو پسند کرنا، دولت مندوں کی عزت کرنا، غریبوں کی تحقیر کرنا، حق بات کو قبول نہ کرنا، اظہار حق میں پہلو تہی کرنا، اظہار حق میں کمزوری دکھانا، دل میں سختی رہنا، انتقام اور بدلہ لینا، بے غیرتی، بے حیائی، اپنے عیوب کی طرف خیال نہ کرنا، دوسروں کے عیوب تلاش کرنا، آخرت فراموشی، دنیا کی لذتوں کی طلب، لمبی لمبی آرزوئیں اپنے آپ کو نیک سمجھنا، دوسروں کو برا اور بد تصور کرنا۔

امام غزالی نے حسد کو ام الامراض کا نام دیا ہے، کیونکہ یہی وہ جذبہ ہے جو کئی ایک امراض کو دل میں پیدا کرتا ہے، یہی ساری بیماریوں کی جڑ اور اصل ہے، جب دل گوناگوں بیماریوں میں گھر جاتا ہے تو بدن کے سارے اعضاء بیمار ہوجاتے ہیں، دل اچھا اور نیک رہا تو آدمی کے اعمال بھی اچھے اور نیک رہتے ہیں، دل اگر گندا اور برا ہوجائے تو آدمی کے اعمال بھی گندے اور برے ہوجاتے ہیں، اس سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے ،قلب کی صحت پر اعضاء کی صحت موقوف ہے، قلب کے فساد پر اعضاء کا فساد موقوف ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بڑی

مشہور حدیث ہے۔ الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله و اذافسدت فسد الجسد كله الاوھی القلب۔ نبی کریم ﷺ نے حسد کو گزری ہوئی امتوں کی بیماری کہا ہے، کیونکہ ان کے اندر سب سے پہلے ایک دوسرے کے ساتھ حسد اور بغض کا جذبہ پیدا ہوا اسی بغض وحسد کی وجہ سے ان کے اندر کئی ایک معتدد اور متعدی بیماریاں پھیل گئیں، کئی فتنے ابل پڑے جن میں وہ مبتلا ہو کر ہلاک ہو گئیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔ دب الیکم داء الامم قبلکم الحسد و البغض ،وھی الحالقة لا آقول تحلق الشعر ولکن تحلق الدین۔ (مشکوۃ)

تمہارے اندر گزشتہ امتوں کی بیماری پھیل گئی ہے، یعنی حسد اور بغض و کینہ، یہ بغض وحسد مونڈنے والا ہے میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ بال مونڈتا ہے بلکہ دین کو مونڈتا ہے، مطلب یہ ہے کہ حسد مکمل طور پر دین و ایمان کو ختم کر دیتا ہے۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا خطاب اپنے عہد کے صاحبان ایمان سے ہے، حالانکہ دورِ نبوت کے اہل ایمان میں یہ اخلاقی مرض صفر کے درجہ میں پھیلا نہیں تھا، وہ سینے تو حسد سے پاک وصاف تھے جن کی نظیر اور مثیل آج تک بھی تاریخ پیش کرنے سے قاصر اور عاجز ہے۔ احادیث میں خطاب کا یہ ایک نبوی اسلوب ہے ۔ امت مسلمہ میں آنے والے ادوار میں جو واقعات اور حادثات رونما ہونے والے ہیں جن کا وقوع ایک یقینی اور لازمی عمل ہے اور جن کے وجود اور ظہور میں دورائے اور شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس پہلو کو نمایاں کرنے کے لئے ماضی کے صیغوں میں بیان کیا گیا ہے۔ بظاہر صحابہ کرام سے خطاب ہے لیکن اس کی مخاطب آنے والے زمانے اور دور کی امت ہے جس کے اندر حسد کی وبا عام طور پر پھیل جائے گی۔

آخرت میں سامنے آنے والا حسد کا ایک نقصاندہ پہلو یہ ہے کہ حاسد کی نیکیاں محسود کے نامہ اعمال میں شامل کر دی جائیں گی۔ یہ صورت حال اس آدمی کی صورت حال سے مماثل اور مشابہ ہوگی، جس کو حدیث میں مفلس کہا گیا ہے، بڑی مشہور حدیث ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرات صحابہ سے پوچھا مفلس کون ہے؟۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ کے رسول مفلس وہ آدمی ہے جس کے پاس مال و دولت نہ ہو، ارشاد فرمایا نہیں! حقیقت میں مفلس وہ آدمی ہے جو قیامت کے روز اللہ کے سامنے حاضر ہوگا تو اس کے نامہ اعمال میں بہت ساری نیکیاں رہیں گی، اُن نیکیوں کے ساتھ ساتھ وہ کسی کا حق چھین لیا ہوگا، کسی پر ظلم کیا ہوگا، یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے اے اللہ اس نے میرا فلاں فلاں حق ضائع کیا۔ کوئی عرض کرے گا اے اللہ اس نے مجھ پر

فلاں فلاں ظلم کئے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ فرمائیں گے اس آدمی کی نیکیاں ان لوگوں میں تقسیم کر دی جائے جو اپنے حق کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس آدمی کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی لیکن حقوق کے طلبگار موجود رہیں گے اس وقت فیصلہ خداوندی کے سامنے آئے گا کہ اصحاب حقوق کے گناہوں کو اس آدمی کے نامہ اعمال میں داخل کر دئے جائیں۔

حضور اکرم ﷺ نے اس آدمی کو مفلس قرار دیا ہے اس کے افلاس کی حقیقت یہ رہی کہ جب وہ دنیا سے چلا تو نیکیوں کا ذخیرہ اپنے ساتھ رکھتا تھا لیکن اس بعض گناہوں زیادتیوں اور حقوق تلفی کے باعث وہ ذخیرہ اصحاب حقوق میں منقسم ہو گیا اور اس کی نیکیوں سے بھری جھولی خالی ہو گئی۔ حاسد کے ساتھ بھی یہی صورت حال پیش آئے گی جو آخرت کے اس مفلس کے ساتھ پیش آنے والی ہے کیونکہ ایک حاسد بھی، حسد کینہ، بغض، عداوت، غیبت، انتقام کے جذبہ اور حوالہ سے علانیہ طور پر یا مخفی طور پر محسود کے ساتھ جو زبانی اور عملی اقدامات کرتا ہے وہ بھی ایک حق تلفی اور ظلم کے مترادف ہے، جس کے نتیجے میں اس کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

حسد کے باب میں ایک صاحب ایمان آدمی کی یہ سوچ اور فکر ہونی چاہئے کہ اس دنیا میں جس بندے کو جو نعمت بھی حاصل ہوئی ہے یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے اور بندے کے اوپر یہ انعام و اکرام اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت اور اس کی رضا کا مظہر ہے۔ ایسی صورت میں کسی بھی شخص کا صاحب نعمت کو ملنے والی نعمت پر جلنا اور اس کے اوپر حسد کرنا اور اس کے ساتھ کینہ اور بغض رکھنا دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے ناراضگی اور اس کی قضا و قدر سے ناپسندگی کے مترادف ہوگا، اور اس فکر و عمل کا رخ دوزخ کی طرف ہوگا۔ اسی لئے شریعت مطہرہ میں حسد کو مذموم اور قابل مواخذہ جذبہ قرار دیا گیا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

حسد کی آگ میں کیوں جل رہے ہو   کفِ افسوس تم کیوں مل رہے ہو
خدا کے فیصلے سے کیوں ہو ناراض   جہنم کی طرف کیوں چل رہے ہو

حسد کا راستہ آدمی کو جہنم کی طرف لے جاتا ہے تو حسد سے اجتناب کا راستہ آدمی کو جنت کی طرف لے جاتا ہے۔ اس پہلو کی وضاحت صحابی رسول کے ایک بیان سے ہو رہی ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرہ بن عاص کی روایت کردہ حدیث میں ہے۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم لوگ مسجد نبوی میں نبی کریم ﷺ کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک آدمی جو اس وقت مسجد کے اس طرف سے اندر داخل ہو رہا ہے وہ جنتی ہے

،ہم لوگوں نے آنے والے صاحب کو دیکھا جو ابھی وضو سے فارغ ہوکر آرہے تھے، جن کے چہرہ سے پانی کے قطرات ٹپک رہے تھے، جب مجلس ختم ہوگئی تو سب جانے لگے میں ان کے پیچھے پیچھے چلا گیا اوران سے عرض کیا اگر آپ پسند کریں اور مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے گھر پر آپ کی صحبت میں چند دن رہنا چاہتا ہوں، انہوں نے خوشی خوشی اجازت دے دی، میں ان کے گھر ٹھہر کر روز وشب ان کے اعمال کا جائزہ لیتا رہا لیکن مجھے ان کا کوئی خصوصی عمل اور کوئی نیکی ایسی دکھائی نہیں دی جس کی وجہ سے میں یہ سمجھ سکوں کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو اس عمل اور نیکی کے باعث جنتی بتلایا ہے، میں نے دیکھا کہ وہ دن میں فرض نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں، رات میں عشاء کے بعد سو جاتے ہیں تو نماز صبح کے لئے بیدار ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے مجھے راتوں میں بھی ان کی کسی عبادت ریاضت، ذکر وغیرہ کے مشاہدہ کا موقع نہیں ملا۔ میں نے جب ان سے رخصتی کی اجازت چاہی تو انہوں نے اجازت دے دی، اس وقت میں نے صاحب موصوف سے عرض کیا ،آپ کے گھر میں میرے قیام کی غرض یہ تھی کہ میں آپ کا وہ خصوصی عمل اور مخصوص نیکی دیکھ سکوں جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ہمیں آپ کے جنتی ہونے کی بشارت سنائی تھی۔ یہ سن کر انہوں نے کہا میرا ایسا کوئی مخصوص عمل نہیں ہے لیکن حضور اکرم ﷺ نے میرے تعلق سے جب یہ بات ارشاد فرمائی ہے تو شاید میرا یہ عمل ہوسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ میرے دل میں کبھی کسی صاحب ایمان کے تعلق سے حسد اور کینہ پیدا نہیں ہوتا۔

حاصل کلام! سیاق میں نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔ یہ بات ہے کہ تمہارے اندر گذشتہ امتوں کی بیماری پھیل گئی ہے، یعنی حسد وکینہ اور بغض یہ حدیث بڑی حد تک موجودہ زمانے کی امت مسلمہ پر صادق آرہی ہے۔ چنانچہ آج یہ حالت ہوگئی ہے کہ جب کوئی شخص مال و دولت میں آگے بڑھ رہا ہے یا مادی و سیاسی صنعتی وحرفتی اور علمی وروحانی اعتبار سے بلند درجات طئے کررہا ہے یا دیگر اعلیٰ ترقیات سے بہرہ ورہورہا ہے تو منفی سوچ میں مبتلا اور جمود و تعطل میں گھرے ہوئے لوگ حسد میں مبتلا ہوجاتے ہیں ایک دوسرے پر حسد کرنا جب عام ہوجاتا ہے تو کئی ایک برائیاں اور خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اور بالاخر یہی معتدی اخلاقی بیماریاں پوری ملت اور امت کی تباہی کا باعث بنتی ہیں، جیسا کہ گذشتہ امتوں کی تاریخ نوشتہ دیواروں کی طرح ہمارے سامنے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اس ناسور سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلینو اله الطبعین واخردعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

جواھر السلوک

تصنیف :

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت سید شاہ محی الدین قادری نقوی ویلوری المعروف بہ حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز

مترجم :

افضل العلماء ابو المکارم سید شاہ مصطفی حسین بخاری قادری فاضل لطیفیہ
سجادہ نشین آستانہ بخاریہ صاحب مکان کڈپہ۔اے پی

فائدہ ۳۴ (گزشتہ سے پیوستہ)

کسی بھی فعل میں کسی بھی صورت اعتراض نہیں کرے گا، ہاں مگر اس فعل میں جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہوتا ہے محبوب کے حکم سے اعتراض کرے گا۔معاذ اللہ اگر اپنی طبیعت کے خلاف میں اعتراض کرے گا تو وقت ہاتھ سے نکل جائے گا، جس کا تجربہ کیا جاچکا ہے،اسی مقام میں موجد کا وجود جمالِ واحد حقیقی کے مشاہدہ میں ایسا مستغرق عین جمع ہو جاتا ہے اپنی چشم باطن سے واحد حقیقی کے افعال، صفات اور ذات کے سوا کسی چیز کو وہ نہیں دیکھتا ہے۔

اس کے بعد مرشد محترم کو چاہئے کہ تجلی افعالی تسمیہ اور تکمیل میں اپنے مرید کو ان چار اسموں میں مشغول کرے۔

۱) لا اول الا اللہ — اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اول نہیں ہے

۲) لا آخر الااللہ — اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی آخر نہیں ہے

۳) لا ظاھر الااللہ — اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ظاہر نہیں ہے

۴) لا باطن الا اللہ — اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی باطن نہیں ہے

یہاں تک کہ وہ مرید تحقیقی نظر سے اس حقیقت کو پالے۔

حق جانِ جہاں است وجہان جملہ بدن　　　توحید ھیں است دیگر شیون وفن

یعنی حق تعالیٰ جہان کی جان ہے اور جہان پورا بدن ہے، اسی کا نام توحید ہے باقی سب فنکاری ہے اور کچھ نہیں ہے
اس کے بعد مرید کو تصور صفاتِ ذاتی کے ساتھ ترقی کے منازل طئے کرائے یعنی

۱) لا حی الا الله　　　اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی زندہ نہیں ہے

۲) لا علیم الاالله　　　اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی جاننے والا نہیں ہے

۳) لا مرید الاالله　　　اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ارادہ کرنے والا نہیں ہے

۴) لاقدیر الا الله　　　اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قدرت والا نہیں ہے

۵) لا سمیع الا الله　　　اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سننے والا نہیں ہے

۶) لا بصیر الاالله　　　اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دیکھنے والا نہیں ہے

۷) لا کلیم الاالله　　　اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بات کرنے والا نہیں ہے

ان مذکورہ اُمہات صفات کو اس حد تک استعمال کرے کہ تمام موجودات میں سالک راہ طریق کو حیات حق، علم حق، سمع حق، اور بصر حق کا مشاہدہ ہونے لگے۔ اس کے تصور کی کیفیت اس طرح ہے کہ مثال کے طور پر یہ جانے کہ جیسا کہ سورج کے لئے نور ہے۔ وللہ مثل الاعلیٰ (یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے اعلیٰ ترین اونچی اونچی مثالیں ہیں) اس طرح صفات حق تعالیٰ کے لئے بھی بے حساب نور ہیں۔ سالک پہلے حیات الٰہی کے نور کا مشاہدہ کرتا ہے کہ وہ تمام موجودات میں ان کی قابلیت کے مطابق ظاہر ہوا ہے۔ یہ حیات اسی کی حیات لیکن ہر جگہ قابلیت اور استعداد کے موافق ظاہر ہوئی ہے۔ جمادی، نباتی، حیوانی اور انسانی کے اعیان ثابتہ نے حیاتِ الٰہی کے فیض کو قبول کیا ہے۔

صوفیائے رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اعتقاد میں تمام موجوداتِ عالم اس کی حیات سے بہرہ مند ہیں، لیکن بعض جگہ طبعی صورت میں ظاہر ہوئی کہ اپنا شعور نہیں رکھتی ہے۔ اور بعض جگہ صرف اپنا شعور رکھتی ہے، بعض جگہ کچھ زیادتی اور کچھ کمی کے ساتھ اپنا اور غیر کا شعور رکھتی ہے۔ جب مرید یعنی سالک راہِ طریق تمام موجوداتِ عالم حیاتِ الٰہی کے نور کا مشاہدہ کرلے تو اسی طرح نورِ علم کا تصور کرے کہ صرف ایک علم الٰہی ہے جو تمام موجودات کے عالم میں جاری وساری ہے، اور تمام موجوداتِ عالم اپنی اپنی قابلیتوں کے اعتبار سے اس علم کے ساتھ عالم ہیں، جیسا کہ حیات میں جانا پہچانا گیا، جس وقت اس

کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ اس کے سوا کوئی عالم نہیں ہے تو اسے چاہئے کہ ارداہ میں ایسا ہی تصور کرے کہ بس ایک ارادہ الٰہی سے تمام موجوداتِ عالم مرید یعنی ارادہ کرنے والے ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جب ہر جگہ مرید یعنی ارادہ کرنے والا وہی ہے تو مخلوقات میں مراد سے مختلف ارادہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس بالواسطہ ارادے میں کسی بھی صورت میں اختلاف جائز نہیں ہے۔ لیکن ارادہ بالواسطہ میں واسطہ کے مطابق ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ عادت الہیہ اس طرح جاری و ساری ہے۔ اور حکمت الٰہی بھی اس کی تقدیر کے مطابق اس کے متضاد اسماء کے اقتضاء سے ایسے ہی چاہتی ہے کہ ہر ارادہ موثر نہیں ہوتا، اس بات کی تحقیق صوفیائے کرام کے کلام میں بہت کچھ آئی ہے۔

اس طرح سالک باقی صفات میں بھی ہر صفت کے لئے ایک علیحدہ نور تصور کرتے ہوئے دیکھے، یہاں تک کہ تمام موجوداتِ عالم میں ان صفات کا مشاہدہ کرے، اس مشاہدہ کے لئے بلکہ مشاہدہ افعال کے لئے بھی صوفیائے کرام نے تین مرتبہ بیان فرمائے ہیں۔

پہلا مرتبہ علم الیقین ہے۔ یعنی ہر فعل وصفت کو یقین کامل کے ساتھ اسی سے جانے اسطرح کے کسی قسم کا شک وشبہ دل ودماغ میں نہ آنے پائے۔

دوسرا مرتبہ عین الیقین ہے۔ یعنی دل کی آنکھ سے ہر فعل وصفت کو دیکھے اور جانے۔ جیسا کہ کوئی شخص ظاہری آنکھ سے کسی شخص کو دیکھتا ہے اور جانتا ہے۔

تیسرا مرتبہ حق الیقین ہے۔ کہ جس سے وہ متصف ہوتا ہے، کبھی کبھی خود کو جو کہ حق تعالیٰ کا خاص نور ہے نفسِ ناطقہ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے دیکھتا ہے کہ وہ عین نور مطلق ہے اور تمام افعال میں صرف فعل حق کو دیکھتا ہے اور جانتا ہے، اس معنی میں کہ خود عین حق ہے پھر تو فعل حق اس کا فعل ہے، یہی تو قربِ نوافل ہے اور اس کا فعل حق کا فعل ہے۔ یہی تو قربِ فرائض ہے۔ عین الیقین کے وقت قربِ نوافل اور حق الیقین کے وقت قربِ فرائض متحقق میں ثابت ہوتے ہیں۔

قربِ نوافل یہ ہے کہ بندہ اوصافِ حق کے ذریعہ متصرف ہوتا ہے، قربِ فرائض یہ ہے کہ حق بآلہ بندہ یعنی بندہ کے اعضاء و جوارح کے ساتھ غافل ہوتا ہے، اب یہاں اس کے لئے سالک کا نام ثابت و متحقق ہو جاتا ہے اور تخلق بااخلاق یعنی اتصاف بااوصاف سے متحقق ہو جاتا ہے، اس وقت موحّد کو اس کا وجود نظرِ شہود میں نہیں آتا ہے یہاں تک کہ

توحید کو بھی صفت واحد دیکھتا ہے اور اس دیکھنے کو بھی صفت حق سمجھتا ہے، اپنی ہستی کو جو موہوم تھی ذاتِ حق مطلق کے نور میں یعنی ڈوبا ہوا اور محو پاتا ہے اور تمام اشیاء کے باطنوں میں ایک نور کو دیکھتا ہے کہ تمام تلبیسات روحی، مثالی اور شہودی اسی سے قائم ہیں، وہی نور تمام صورتوں میں متصور یعنی جلوہ گر ہو گیا ہے، کسی بھی صورت، غیرت کے نام ونشان کو بالکل جگہ نہیں دیتا ہے، اگر معاذ اللہ ایسا ہو جائے تو خود کو محبوب جان کر اپنی حقیقت سے التجا کرتا ہے کہ وہ ختم ہو جائے۔

اس کے بعد سالک راہِ طریق کو چاہئے کہ عبنیت کے طور پر نناوے ناموں کو استعمال کرے، یہاں اس کو مرشدِ محترم لا موجود الا اللہ کے تصور کا حکم دے تا کہ وہ موجوداتِ عالم میں ایک ہی وجود کا مشاہدہ کرے جو قائم بالذات ہے، تمام اعیان ثابتہ بھی اس کے نور سے قائم ہیں، بلکہ اس کا نور عینِ نور ہیں جو نورِ وحدیت سے عبارت اور اعیانِ خارجیہ سے روح، نفس اور بدن تمام کو اپنے عینِ ثابتہ سے قائم جانے اور عینِ ثابتہ کو ذات کے ساتھ قائم ودائم جانے (جیسا کہ یہ بات معلوم ہے کہ زید ذات کے ساتھ قائم ہے) یہاں عینِ ثابتہ سے مراد وہ حصہ وجود ہے جس کے ساتھ علم کا تعلق ہے، علم کے ساتھ تعلق کی وجہ سے معدوم بھی ہے اور بحیثیت تحقیق موجود بھی ہے، اس کو صوفیائے محققین کی اصطلاح میں سرائر واسرار یعنی راز اور بھید کہتے ہیں، اس جگہ یہی معنی ثابت ہوتے ہیں۔

درکون ومکاں نیست عیاں جز ایک نور	ظاہر شدہ آن نور بانواع ظہور
حق نور تنوع طہورش عالم	توحید ایں است دیگر وہم وغرور

یعنی کائنات میں سوائے ایک نور کے کوئی ظاہر وعیاں نہیں ہے۔ وہ نور مختلف انواع واقسام کے ساتھ ظاہر ہوا ہے۔ حق تو نور ہے اس کا مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا ہی عالم ہے۔ توحید تو بس یہی ہے باقی سب کچھ وہم وخیال ہے اور کچھ نہیں ہے۔

اس مقام میں وہ ذکر جو اس فقیر کا خاصہ ہے شاید اس کا بتانا سالکین طریقت کے لئے مفید ہو جو یہ ہے ملاحظہ فرمائیں۔ لا الہ الا اللہ الوجود البحت القائم بالذات الاظاہر بھذہ الصفات والاعتبارات۔ یعنی وجود بحت ذات خالص کے سوا کوئی موجود نہیں ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے اور تمام اٹھائیس صفات الٰہی یعنی اسمائے الٰہی اور اٹھائیس اعتبارات کوئی اس کے ساتھ قائم نہیں اور وہ ان کے افراد کی صورتوں میں ظاہر ہوا ہے، ازل سے ابد تک ہر لحظہ ہر آن افراد میں ایک دوسرے ہی لباس میں خود کو خود ہی ظاہر کرتا ہے۔

سالک گفتگو میں بات چیت میں حق تعالیٰ ہی کو گفتگو کرنے والا بات کرنے والا جانے کسی بھی صورت دوئی کو جگہ نہ

دے یہاں بھی اشہات صفات کو عینیت کے طور پر کام میں لانا چاہئے تاکہ توحید جمالی اس طرح ظاہر ہو کہ حالِ توحید ذاتِ موجد کا وصف لازمی ہو جائے۔ تمام موجودات حقیقی میں ایسا دیکھے کہ وہ ذات واحد خود کو کمال استجلا کے ساتھ مشاہدہ کر رہی ہے سے حاصل ہوئی ہے اس کے ذریعہ کبھی خود تمام موجودات میں تصرف کرنے والا پائے جیسا کہ قطرہ دریا میں گم ہو جاتا ہے اسی طرح عین ثابتہ کو دریائے وجود میں محو پاتا ہے۔ اس وقت حق کے تمام تصرفات اس کے تصرفات ہو جاتے ہیں۔

رو در و گم شو وصال ایں است وبس تو مباش اصلاً کمال ایں است وبس

چل آگے بڑھ اور اس میں گم ہو جا یہی وصلِ محبوب ہے، تو اپنے وجود کو بالکل باقی نہ رکھ یہی کمال ہے اور کیا ہے۔

اس کے بعد سالک راہِ طریق اسم ذات کے نقش میں مشغول ہو جائے اس طرح کہ خلوت وجلوت میں اللہ کے نقش کو سورج یا چاند کی طرح دل میں بٹھائے ہوئے اس عینیت کے ساتھ کہ اپنے نام کو دل صوبری پر جو اس کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے نقش کرلے اسی طرح تصور کو جاری رکھے یہاں تک کہ فانی محض ہو جائے اور اگر قسمت میں ہو تو تصرف حقیقی ہاتھ آئیگا اور بقا حاصل ہوگی۔

انا الحق اور سبحانی ما اعظم شانی کا دعویٰ اس مقام پر حاصل ہوگا اور وہ توحید الٰہی کے ساتھ متصف ہو جائے گا۔ جیسا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ ہمیشہ سے اپنی وحدت کے ساتھ متصف تھا اور آج بھی ہے اسی وحدت کے ساتھ سالک کی حقیقت متصف ہو جائیگی، یہاں سالک مرتبۂ جبوریت میں جس کی واحدیت (یعنی الوہیت کے اس کو واحدیت مفصل) کہتے ہیں پہنچ جائے گا۔ توحید حالی اس کی سیر مقام ملکوت تک ہوتی ہے۔ توحید علمی میں وہ ہنوز مقام ناسوت ہی میں رہتا ہے۔

اس کے بعد سالک پر تجلیات اور حالات اتنے ظاہر ہونے لگتے ہیں کہ ان کو بیان کرنا محال ہو جاتا ہے سالک کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ تین مرتبہ ذاتیہ یعنی حی، علیم اور قدیر میں یا تین مرتبہ صفاتیہ سمیع، بصیر اور علیم میں اپنے آپ کو مشغول رکھے، یا پھر اپنی ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ کہتا رہے اور اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر اور شاہد جانے، اتنا ہی نہیں بلکہ اس کو ناظر و منظور، وظاہر و باطن اور اول وآخر جانے۔ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی دوسرا نام جسمیں اسے لذت معلوم ہو اپنی آنے جانے والی سانس کے ساتھ کہے یا پھر یا اللہ یا حی یا قیوم کہے یا پھر یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم اپنی ہر سانس کے ساتھ کہتا ہوا اپنے دل پر تصور کرے اور ہر ایک کا تصور اپنے پیر و مرشد سے معلوم کرلے۔

اسم حی میں شغولیت وقت وجود مطلق کو واحدیت کے تمام اسماء کے ساتھ تصور کرے اسم قیوم میں شغولیت کے وقت

نفس رحمانی سے متلبس ہوتے ہوئے اشیاء کی صورتوں کو تجدد امثال کے طور پر نظر میں رکھے، ہمیشہ بلکہ ہر لحظہ ہر آن اسی مشاہدہ میں رہے۔ اسم یارحمٰن میں مشغولیت کے وقت کمالِ جلا یعنی ظہور حق کو اعتبارات کونی کے مطابق مشاہدہ کرے۔ اسم یارحیم میں مشغولیت کے وقت کمالِ استجلا یعنی شہودِ حق کو خاص اسی کے لئے اعتبارات کونی کے مطابق مشاہدہ کرے تاکہ کسی بھی وقت کسی بھی صورت حق سے غافل نہ ہو سکے۔ اگرچیکہ اعمال غفلت کا سبب ہوتے ہیں مگر عمل کرتا رہے ایسے ہی مقام کے لئے کہا گیا ہے۔

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔ یعنی یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں بیع وتجارت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی ہے۔ سبحان اللہ کیسا راز ہے کہ کوئی بھی اس سے واقف نہیں ہے بلکہ کوئی بھی شخص ایسا نہیں کہ اس راز سے ناواقف رہے۔ اس بات کو سمجھا جس نے سمجھا۔

اس کے بعد سالک راہ طریق کو یہ جاننا چاہئے کہ صوفیائے کرام کے محاورات لفظ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کا استعمال مختلف معنی میں ہوتا آیا ہے۔ حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ مکتوبات کی جلد اول کے دوسو بہتر ۲۷۲ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں۔ علم الیقین اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات میں ان آیات کی شہود سے مراد ہے جو اللہ تعالیٰ وتقدس کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں ان آیات کے شہود کو سیر آفاقی کہتے ہیں لیکن مشہود ذاتی اور حضور ذاتی سیر نفس کے بغیر متصور نہیں ہوتا، وہ صرف سالک کے اپنے نفس میں ہوتا ہے۔

ذرہ گربس نیک وربس بد بود　　　　گرچہ عمرے تک زند در خود بود

اور سالک جو کچھ کہ اپنے باہر مشاہدہ کرتا ہے وہ تمام حق تعالیٰ کی ذات پر دلائل اور آثار کے مشاہدہ کی قبیل رقم سے ہے وہ حق تعالیٰ عز سلطانہ کی ذات کا مشاہدہ نہیں ہے۔

قطب المحققین سید العارفین ناصر الدین خواجہ عبید اللہ قدس اللہ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ سیر کی دو قسمیں ہیں ،ایک سیر مستطیل دوسری سیر متدیر۔ سیر مستطیل میں انتہائی بعد اور دوری ہے، اس کے برخلاف سیر متدیر میں انتہائی قرب اور نزدیکی ہے۔ سیر مستطیل میں اپنے مقصود ومطلوب کو اپنے دائرہ کے باہر سے طلب کرنا ہوتا ہے۔ سیر متدیر میں اپنے دل کے اطراف گھومنا اور اپنے مقصود ومطلوب کو خود سے یعنی اپنے آپ سے حاصل کرنا ہوتا ہے۔ وہ تجلیات جو حسّی اور مثالی صورتوں میں ہوتی ہیں اور اسی طرح جو انوار کے پردہ میں ہوتی ہیں چاہے کوئی صورت ہو، چاہے کوئی نور ظاہر ہو، وہ نور

رنگین ہو یا بے رنگ ہو متناہی ہو یا غیر متناہی ہو، کائنات کو محیط ہو یا نہ ہو یہ سب علم الیقین میں داخل ہیں۔

حضرت مخدومی مولوی عبدالرحمٰن جامی قدس اللہ سرۃ آنے والے شعر سے متعلق شرح لمعات میں فرماتے ہیں۔

ای دوست تُرا ہر مکان می جستم　　　　بردم خیرت از یں وآن می جستم

یعنی اے دوست میں نے تجھے ہر جگہ تلاش کیا، ہر وقت ہر لمحہ ہر ایک سے تیری خیر پوچھتا رہا۔

مذکورہ شعر میں بھی مشاہدہ آفاقی ہے جو علم الیقین کا فائدہ دیتا ہے۔اور یہ شہود علامات اور دلائل کے سوانہ مقصود کی خبر دیتا ہے اور نہ اس کا حضور عطا کرتا ہے تو یقیناً شہود کے رنگ میں شہود کی صورت میں وہ ایک دھواں ہوگا ایک طرح کی حرارت ہوگی جو صرف آگ کی ذات پر دلالت کرتی ہے۔یہ شہود دائرہ علم ہی میں رہ جائیگا اس سے علم الیقین کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔یہ وجودِ سالک کو بے نیاز کرنے والا بھی نہ ہوگا۔

عین الیقین سے مراد ایسا شہود حق ہے جو علم یقینی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔یہ شہود فناءِ سالک کو ملتزم ہوتا ہے۔اس شہود کے غلبہ میں سالک کا تعین،سالک کی ذات پوری طرح گم ہو جاتی ہے۔اس کے اپنے دیدہ شہود میں اس کا کچھ بھی اثر باقی نہیں رہتا ہے وہ اپنے مشہود میں فانی اور متہلک ہو جاتا ہے،اسطرح کے شہود کو صوفیا قدس اللہ اسراھم کے نزدیک ادراک سبیط سے تعبیر کیا جاتا ہے،اس کو معرفت بھی کہتے ہیں،اس ادراک میں عوام وخواص دونوں شریک ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ خواص کے لئے شہودِ خلق،شہودِ حق جل سبحانہ کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ کا باعث نہیں ہوتا، بلکہ ان دیدۂ شہود میں صرف حق جل وعلا مشہود ہے اس طرح کا شہود عوام کے لئے مزاحم اور مانع یعنی رکاوٹ باعث ہے،لہٰذا وہ اس شہود سے بالکل غافل اور ادراک سے بے خبر رہتے ہیں۔یہ عین الیقین علم الیقین کا حجاب ہے جیسا کہ علم الیقین عین الیقین کا حجاب ہے،اس شہود کے تحقق کے وقت سراسر حیرانی اور نادانی رہتی ہے اس مقام میں علم کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی ہے۔

بعض اولیائے کرام قدس اللہ اسراہم نے ارشاد فرمایا ہے کہ علم الیقین عین الیقین کا حجاب ہے اور عین الیقین علم الیقین کا حجاب ہے، نیز ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی علامت جیسے اللہ تعالیٰ کو جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے پہچان لیا ہے، یہ ہے کہ اس کے سر یعنی راز پر واقف ہو جاتا ہے لیکن اس کو اس کا علم نہیں ہوتا ہے، پھر تو ایسا آدمی ہی اس معرفت میں کامل ہے اس کے علاوہ کوئی معرفت نہیں ہے۔

بعض اولیاء اللہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ عارف باللہ وہ انسان ہے جو سب سے زیادہ

اس کی ذات میں حیران ہے۔

حق الیقین سے مراد ارتفاعِ عین اور اضمحلال متعین کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ کا شہود ہے۔حق سبحانہ تعالیٰ یہ شہود حق جل وعلا سے ہے اس کے ساتھ نہیں ہے۔ بادشاہ کی عطا کو بادشاہ کی سواریاں ہی اٹھاسکتی ہیں اور کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ یہ بات بقا باللہ میں ہوتی ہے جو مقام بی یسمع (یعنی مجھے سنتا ہے) بی یبصر (یعنی مجھے دیکھتا ہے) ہے۔

سالک راہِ طریقت کو فناء مطلق کی تحقیق کے بعد جو فناء ذات وصفات ہے، حق سبحانہ تعالیٰ صرف اور صرف اپنی عنایت ومہربانی سے اپنی جانب سے وجود بخشتا ہے اس کو سُکرِ حال اور بیخودی سے صحو اور افاقت میں لے آتا ہے۔صوفیائے کرام اس وجود کو موہوبِ حقانی یعنی حق کی طرف سے عطا کیا ہوا وجود کہتے ہیں، اس مقام میں علم اور عین ایک دوسرے کے لئے حجاب اور پردہ نہیں بنتے ہیں۔عین شہود میں علم ہوتا ہے عین علم میں شاہد ہوتا ہے۔یہی اس کا متعین ہے کہ عارف اس مقام میں عین حق عز شانہ کو پاتا ہے۔نہ کہ تعین کونی کو کیونکہ اس سے دیدۂ شہود یعنی دیکھنے والی آنکھ میں اس کا کوئی اثر نہیں رہتا، اور تجلیات صوریہ سے جو کہ اپنی صورتوں کے تعینات کو حق سمجھتے ہیں اس کی شان اس سے بہت بلند ہے، یہ وہ تعینات کونیہ ہیں کہ فنا ان تک نہیں پہنچتی ہے۔فاین احدو هما من الاخرما للتراب و رب الارباب۔ پس ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے مٹی اور رب الارباب کے درمیان کیا نسبت ہوسکتی ہے۔

اگر چہ ظاہر عبارت سے عوام کے نزدیک تجلی صوری کہ جس میں خود حق کو پانا ہوتا ہے اور حق الیقین کے درمیان میں کہ وہاں بھی خود کو حق پانا ہوتا ہے، کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا ہے۔لیکن تجلی صوری میں حق کو خود سے دیکھتا ہے اور اس مقام میں حق کو حق سے دیکھتا ہے اس کی شان بلند ہے کہ بندہ خود سے حق کو نہیں دیکھ سکتا ہے (کیونکہ خودی اور خدا ایک دوسرے ضد ہیں جیسا کہ حب دنیا اور حب آخرت ایک دوسرے کے ضد ہیں) میں تجلی صوری میں شہود کا اطلاق مجازاً ہوگا کیونکہ حق کو حق کے سوائے نہیں دیکھ سکتے اور یہ بات مرتبہ حق الیقین میں ہوتی ہے کہ اس مقام میں شہود حق ثابت ومتحقق ہے۔

اس زمانے کے بعض شیوخ حضرات اُس فرق سے اچھی طرح واقف نہ ہوسکے۔انہوں نے تعین کو تعین کونی ہی سمجھ لیا۔لہذا حق الیقین کی اس تشریح وتوضیح میں جو انہوں نے اپنے طور طریقے پر مقرر کرلیا ہے۔اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم پر طعن کی زبان کو دراز کردیا اور یہ یقین کرلیا کہ بیشک یہ حق الیقین اس تجلی صوری میں حاصل ہوتا ہے جو سلوک میں پہلا قدم ہے۔حالانکہ اکابرین حضرات نے اس حق الیقین کیساتھ تشریح وتوضیح کی ہے جو سلوک میں آخری قدم ہے تو پھر وہ کیسے درست ہوسکتا ہے۔ بلکہ ان شیوخ نے حکم لگایا ہے کہ بیشک وہ حق الیقین جو ان کو نہایت میں حاصل ہوا ہے ہم کو اس تجلی صوری میں حاصل ہوجاتا ہے جو ہمارے لئے پہلا قدم ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

Scanned with CamScanner

نقوش طاہر

سالنامہ اللطیف میں حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمۃ سابق ناظمِ دارالعلوم لطیفیہ ،حضرت مکان ویلور۔کا ایک مضمون ''**گھر ھائے صدف**'' قارئین کرام کی نذر ہے۔

ادارہ

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے انتہا نوازشات فرمایا اور اپنی قدرت کاملہ سے انسان کو انسان بنایا اور اسے بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔اس کی ہدایت اور رہبری کے لئے وقتاً فوقتاً پیغمبروں کو مبعوث فرماتا رہا۔اور آخر میں پیغمبر آخرالزماں کو رحمت للعالمین بنا کر دنیا میں جلوہ افروز فرمایا،اور آپ کی برگزیدہ امت میں برگزیدہ ہستیوں کو مرتبۂ ولایت سے سرفراز کیا۔علمِ ظاہر کے ساتھ علمِ باطن عطا فرمایا اسی نعمتِ عظمیٰ پر دلی تاثرات کو منظر عام پر لانے کی سعی کی گئی ہے۔

تاریخ دہرائی جاتی ہے اور اسی مقدس تاریخ کی برگزیدہ ہستیوں کے واقعات قلمبند کئے جاتے ہیں۔تاکہ یہ گہرہائے صدف زمانے کے حوادثات کے شکار نہ بن جائیں۔

صاحبِ ''جواہر السلوک'' اپنی تصنیف لطیف میں ایک مقام پر رقمطراز ہیں کہ صاحبِ کمال اور ولی معظم کے لئے ضروری نہیں کہ وہ کسی جنگل یا پہاڑ پر جا بیٹھے اور اللہ کی عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔یہ طریقہ سنت مطہرہ کے خلاف ہے۔اسلئے کہ حضرت سرور کائنات ﷺ برابر مسجد میں امامت فرماتے لوگوں میں رہ کر دین کی تبلیغ بلیغ کرتے اور میدانِ جنگ میں سپہ سالار ہوتے تھے اور عبادت و ریاضت بھی سب سے زیادہ کرتے۔حقیقت میں یہی راہِ طریقت ہے۔

حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کے ذریعہ اپنی قدرت کے کرشمے ظاہر فرماتا رہتا ہے۔پیشِ نظر

مضمون میں چند واقعات ایسے ہیں جن سے اللہ کے مقرب بندوں کے علم باطن اور کشف کامل کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان قدرتِ الٰہی کے جلوہ مشاہدہ کرنے کی بصیرت پیدا کرے۔

گلشنِ مصطفوی ﷺ کے خوشہ چیں حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قادری قربیؒ جن کی زندگی اپنے جد سرور کونین حضرت محمد ﷺ کی سنت مطہرہ کے مطابق رہی ،اور تا زیست اسی پر ثابت قدم رہے۔آپ کے زریں دور میں علم کو بے انتہا تقویت پہنچی ، جہالت کی تاریکی کو مٹا کر گھر گھر علم کی روشنی پھیلائے اور اس ملک کرناٹک میں الحاد و زندقہ کی جڑ اکھیڑ کر خالص توحید کو پھیلایا اور شرک و بدعت کی بیخ کنی کر کے سنت مطہرہ کو جاری فرمایا۔

حضرت شاہ محی الدین ذوقیؒ لطائف ذوقی میں اپنے پدرِ بزرگوار کے حالات میں لکھتے ہیں کہ حضرت کا وجودِ مسعود اگر اس ملک میں نہ ہوتا تو یہاں کے اکثر لوگ بدعت والحاد میں مبتلا ہو جاتے۔حضرت کی ذات با برکات سے علم اس قدر پھیلا کہ جنوب کے اکثر گوشہ میں آپ کے فیض یافتہ شاگرد بکھر گئے۔

آپ کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ نواب والا جا نے آپ کی خدمت میں سالانہ بارہ ہزار روپیوں کی آمد کا پروانہ جب پیش کیا تو آپ نے اس کو نظر شمع فرما دیا۔آپ کے فرزندِ عزیز حضرت سید شاہ عبدالطیف قادری عرف حضرت شاہ محی الدین ذوقیؒ اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خدمت علم کو بامِ عروج پر پہنچایا اور شرک و بدعت کا سختی سے قلع قمع کیا اور کثیر التعداد تصانیف آپ کے نوکِ قلم سے وجود میں آئیں ،آپ کی خالص لوجہ اللہ کوشش سے سینکڑوں ہزاروں لوگ گمراہی سے بچ گئے۔

انہیں صاحب دل اور روشن ضمیر بزرگوں کے علم باطن کے متعلق یوں روایات بیان کی جاتی ہے کہ کوئی دو سو سال قبل حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قادریؒ قربیؔ اور آپ کے صاحبزادے بیک وقت ایک شب میں خواب میں دیکھا کہ حضرت سرکار غوث پاکؓ صحن مسجد حضرت قطب ویلور میں تشریف فرما ہیں۔حضرت شاہ محی الدین ذوقیؒ حضور سرکار غوث پاکؓ کی خدمت میں قطبیت کے درجہ کے طلبگار ہوئے تو آپ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے ، جب آپ بیدار ہوئے تو صبح کی اذان ہو رہی تھی۔آپ کے والد بزرگوار مسجد کے صحن میں تشریف فرما تھے۔رات کا خواب بیان کرنے جوں ہی آپ آگے بڑھے تو والد بزرگوار نے

فرمایا کہ جب قطبیت کے درجہ سے بڑھ کر دو درجہ حاصل تھے تو تمہیں اس سے بڑھ کر طلب کرنا چاہئے تھا۔ جو بشارت فرزند کو ہوئی والد بزرگوار بھی مشاہدہ فرمارہے تھے۔

خاندانِ والاشان میں تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد جبکہ حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادریؒ کا زمانہ تھا ،ایک شب آپ اور آپ کے فرزند حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبدالطیف قادری مشہور بہ حضرت مکیؒ ظاہر کا حال باطن میں مشاہدہ فرمارہے تھے کہ ایک شخص جو معمر اور نحیف تھا مکانِ حضرت قطب ویلور کے روبرو قلعہ ویلور اور خندق کے باز و ایک باڑے سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا رہتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی قادریؒ کے نام کو اپنا وظیفہ بنا رکھا تھا۔ ہر وقت یہی کہا کرتا تھا کہ یا میرے پیر قربی یا میرے پیر قربی۔ جس شب اس کا انتقال ہوا اس شب حضرت موصوف آپ کے فرزند عزیز نے بیک وقت خواب میں دیکھا کہ درگاہ شریف کا دروازہ کھلا اور حضرت قربی باہر آئے اور اس کو اندر لے گئے اور دروازہ بند ہوگیا۔ جب یہ دونوں خواب سے بیدار ہوئے تو موذن نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی ،آپ نے فوراً ملازم کو اس کا حال دریافت کرنے بھیجا تو معلوم ہوا کہ اس کا انتقال ہو چکا ہے۔

حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبدالطیف قادری المشہور بہ حضرت قطب ویلورؒ کی ذات گرامی سے کون واقف نہیں۔ یہ وہ شاندار زمانہ تھا کہ اشاعت علم کے ساتھ ساتھ دین کی تبلیغ بھی اعلیٰ پیمانے پر ہورہی تھی۔ اللہ و رسول کے سچے عاشق حج بیت اللہ کے بعد جب روضہ اقدس پر حاضری دینے تشریف لے گئے اور آپ نے سلام پیش کیا تو سینکڑوں لوگوں کے سامنے وعلیکم السلام کا جواب ملا۔ آپ کے دستِ حق پرست پر عرب و عجم کے لاکھوں کی تعداد میں لوگ بیت سے مشرف ہوئے۔

آپ کے بارے میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ ۱۲۸۹ھ میں جب آپ کا وصال مدینہ منورہ میں ہوا اور آپ کے صاحبزادے بھی اسوقت وہیں تھے تو ایک روز کھندار سے ایک مسافر حضرت مکان آیا اور مسجد میں قیام کیا۔ اس نے اپنا حال کسی پر ظاہر نہ کیا اور بھوکا رہ گیا۔ حضرت قطب ویلورؒ اسی شب خادمہ کے خواب میں آکر غصہ سے فرمانے لگے کہ مسجد میں وہ مسافر بھوکا رہ گیا اور کسی نے اس کی خبر نہ لی۔ اس نے عرض کیا حضرت وہ کون ہے؟ فرمایا کہ فلاں سید کھنداری۔ خادمہ نے کہا کھانا تو حاضر ہے مگر سالن نہیں ،فرمایا کہ چٹنی ہی سہی ،خادمہ خواب

سے جلد بیدار ہو کر کھانا سالن تیار کر کے صبح کی اذان کے بعد خوان اس کھنداری کے سامنے پیش کیا۔اس نے حیرت سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے۔اس نے صورت واقعہ بیان کی، مسافر نے کہا کہ اس کی تصدیق تو کر لی جاتی تو اس نے جواب میں کہا کہ اس کی ضرورت نہیں۔آپ تو موجود ہیں کہ نہیں۔

حضرت مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادریؒ کے حالاتِ زندگی اور واقعاتِ انوار اقطاب ویلور میں تفصیل سے آ چکے ہیں، لیکن یہ ایک ایسا حیران کن واقعہ ہے جو پہلی بار منظر عام پر آ رہا ہے۔

مارچ ۱۹۵۱ء کا زمانہ تھا ایک روز صبح کے دس بجے مجھے کسی ضرورت کے تحت آفس سے حضرت قبلہ کے حجرہ میں گیا ،دیکھا کہ آپ جھولے سے دروازہ کی چوکھٹ تک جلد جلد ٹہل رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، جوں ہی میں اندر داخل ہوا تو مجھے دیکھ کر آپ مسند پر جا بیٹھے اور آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا کہ حضرت پیر آج سے تین دن قبل میں نے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ فرما رہے ہیں کہ بی بی ماں کی دوا سے اثر اٹھا لیا گیا ہے اور ان کا وقت قریب ہے،ان کے لئے میرا دل رو رہا ہے۔حضرت قبلہ کی چھوٹی بہن جن کو بی بی ماں پکارتے تھے جو چند دنوں سے علیل تھی ،وہ حضرت مولانا ابو صالح سید شاہ احمد قادریؒ جاگیردار عرس ورنگل کی زوجہ تھیں۔

صبح ساڑھے دس بج چکے تھے میں نے کہا بہت دیر ہو چکی ہے آپ گھر جا کر ناشتہ کر لیں۔لہذا آپ گھر تشریف لے گئے اور میں آفس کو گیا،تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ کسی خاص ضرورت کے تحت مجھے پھر گھر جانا پڑا وہاں پہنچ کر دیکھتا ہوں کہ حضرت قبلہ کرسی پر بیٹھے ہیں اور بہن پلنگ پر ہیں دونوں بھائی بہن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں،حضرت قبلہ کو ان کی موت کا یقین تھا اس لئے کہ ان کی موت کی بشارت ہو چکی تھی اور بہن کو یقین ہو چکا تھا کہ بیماری کی وجہ سے ان کی موت قریب ہے۔

یہ ایک ایسا ٹریجک منظر تھا جس کی وجہ سے خود بخود میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔موت کی بشارت اور بہن کی خطرناک علالت سے میں پہلے ہی واقف تھا لہذا اس درد انگیز منظر سے میں مثنیٰ نہیں رہ سکا۔

چنانچہ حسب بشارت عالیہ ایک ہفتہ کے اندر انتقال پر ملال ہو گیا۔بزرگان دین کے ان واقعات سے کوئی تعجب نہیں کہ مسلسل ہر زمانے میں ایسے سینکڑوں واقعات اور کرامات ظہور پزیر ہوتے رہتے ہیں، یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں کو علم باطن سے نوازتا ہے۔

اب بھی ان بزرگوں کے تصرفات، برکات وفیوضات کا لامتناہی سلسلہ جاری وساری ہے۔

مکان حضرت قطب ویلور رح

کل بھی اور آج بھی

از: مولانا ڈاکٹر سید شاہ محمد عثمان قادری
ناظم دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور

جنوبی ہند کے ایک شہر، شہر ویلور میں ایک مکان، مکان حضرت قطب ویلور کے نام سے مشہور ہے۔ جو حضور اکرم ﷺ کے حکم سے قائم ہوا ہے۔ یہاں کے نیک بزرگوں اولیائے کرام اور اقطاب بلند مقام ہر زمانے میں چاہے وہ نوابوں کا زمانہ ہو یا انگریزوں کا زمانہ ہو یا آزادی کے بعد کا زمانہ ہو بزرگوں نے ہر وقت اپنی علمی قابلیت کے ذریعہ اور اپنی صوفیانہ طریقے سے زندگی گزارتے ہوئے اپنی زندگی گزاری، اور کسی حکومت یا فرد سے انتقام نہیں لیا۔ اور ہر وقت رضائے الٰہی کے تحت کام کرتے رہے۔

جس وقت نوابوں کا زمانہ تھا اُس وقت بھی اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کسی نواب سے کچھ نہیں لیا۔ نوابانِ کرناٹک نواب والا جاہ نے قطب ویلور کو ایک جاگیر کا پروانہ دیا تو آپ نے اس کو جلا دیا اور فرمانے لگے ہمارے لئے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔ اور صرف توکل اور قناعت پر ہماری زندگیاں بسر ہوتی ہیں۔ اس واقعہ کو مولانا عبد الحئیؒ واعظ بنگلوری نے اپنی مثنوی میں اس طرح بیان کیا ہے۔

اور نواب جو تھا والا جاہ
صاحبِ تخت و ملک و فوج سپاہ
لا کیا نذر اس کے ایک دانا ہ
ایک جاگیر کا پروانہ
اُس کو وہ شمع پر جلایا ہے
اور سخن یہ زبان پر لایا ہے
ہوئے پروانہ شمع پہ سوزاں
ہوا نواب دیکھ حیراں
(مطبوعہ: مطبع محمد واقع معسکر بنگلور)

اس طرح نوابوں کے زمانے میں بھی مکانِ قطبِ ویلور عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ زمانہ گزرتا رہا اور انگریز ملک پر اپنا سکہ جماتے گئے جہاں ہر طرف انقلاب کا نعرہ لگ رہا تھا وہیں اقطابِ ویلور پرسکون حالت میں اپنی دینی خدمات انجام دے رہے تھے اور یہ کہتے تھے کہ انگریز ہماری عبادات پر کوئی پابندی نہیں لگا رہا ہے۔ اور جب اقتدار کی بات آتی تو فرماتے۔ تعزو من تشا......

اللہ جس کو چاہتا ہے عزت و مرتبہ دیتا ہے، لوگوں نے آپ کے خلاف انگریزوں سے کہہ دیا کہ آپ برٹش حکومت کے خلاف ہیں۔ یہ کیفیت معلوم ہو کر انگریزوں نے آپ کو چتور کے جیل میں ڈال دیا اور تحقیقات شروع کیا، بعد تحقیقات کے جب آپ بری کر دئے گئے تو آپ ویلور آ گئے اور کسی کو بھی برا بھلا نہ کہا اور جو آپ کے مخالفین تھے ان کو بھی معاف کر دیا یہ فراغ دلی دیکھ کر انگریز نے معافی مانگتے ہوئے حضرت کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔ اسی طرح نظام آف حیدر آباد نے اقطابِ ویلور کو کچھ رقم بطورِ نذرانہ پیش کیا جسے بزرگانِ اقطابِ ویلور شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا۔ اسی طرح کئی اور ملک التجار حضرت مکان کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہوئے لیکن ہر ایک کو اقطابِ ویلور نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا۔ اور اپنی پرخلوص محنت اور توکل پر سالہا سال خانقاہ، مدرسہ، مسجد چلاتے رہے۔ آزادی کے بعد جمہوری حکومت سے بھی اس طرح بہتر تعلقات جاری ہے۔

یہ سب فیض ہے بزرگوں کے توکل کا۔ اگر کسی سے کچھ مدد طلب کی جائے تو اس میں کچھ نہ کچھ مدد دینے والی شخصیت اپنا اثر دیکھائے گی، کیونکہ عام طور سے یہ دیکھا گیا ہے کہ کئی مساجد و مدرسوں میں امداد لینے کی وجہ سے سُنیت غائب ہوتی نظر آ رہی ہے اور جس فرقہ کا غلبہ ہو وہ مدرسہ یا مسجد اس کے زیر اثر چلا جاتا ہے۔ اقطابِ ویلور کی دوراندیشی تھی کہ انہوں نے کسی بھی ملک کسی بھی نواب اور انگریزوں کی مدد سے بچتے رہے اور حضور اکرم ﷺ کے نقش قدم پر اور اہل سنت جماعت کے طریقے پر مدرسہ خانقاہ مسجد چلاتے آ رہے ہیں۔

غزوۂ بدر کا پس منظر و پیش منظر

از: مولوی سید نیاز احمد آمری جمالی
پرنسپل دارالعلوم جمالیہ، چنئی

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز — چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

حق باطل کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کرسکتا، باطل کے ساتھ سمجھوتہ کر لینا حق پرستی نہیں بلکہ منافقوں کا شعار ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وقل جاء الحق و زھق الباطل ،ان الباطل کان زھوقا۔اے محبوب! کہہ دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل تو مٹ کر ہی رہیگا۔ اسی قاعدہ کے مطابق غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ نبی کریم ﷺ نے باطل کے سامنے اپنا سر نہیں جھکایا بلکہ اپنے گنتی کے جاں نثاروں کے ساتھ مشرکین کا وہ مقابلہ کیا کہ تاریخ عالم میں حق کی فتح اور باطل کی شکست کی مثال قائم ہوگئی۔

اسلام کی خاطر سب سے پہلے لڑی جانے والی جنگ غزوہ بدر ہے۔ اس جنگ کی اہمیت وعظمت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس روز کو یوم الفرقان کہا ہے یعنی حق و باطل میں امتیاز قائم کرنیوالا دن۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان۔(الانفال) اور وہ جسکو ہم نے ہمارے بندۂ خاص محمد مصطفیٰ ﷺ پر فیصلہ کے دن نازل کیا جس دن دونوں جماعتیں (صحابہ اور مشرکین مکہ) باہم مقابل ہوئیں۔

مشرکینِ مکہ کا یہ ناپاک ارادہ تھا کہ بدر کی جنگ کے ذریعہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں اور ہمیشہ کے لئے اسلام کو نابود کردیں۔ مگر ربِ کریم کو یہ منظور تھا کہ اسی جنگ کے ذریعہ وہ اسلام کا بول بالا کردے اور کفر کا منہ کالا کردے۔ چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یرید اللہُ ان یحق الحق بکلماتہ و یقطع دابر الکافرین۔ (الانفال) یعنی اللہ چاہتا ہے کہ اپنی باتوں کے ذریعہ حق کو ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

جس دن رسول کریم ﷺ نے مکہ کی وادی میں اپنی نبوت کا اعلان کیا، توحیدِ خداوندی کا پیغام سنایا اور معبودانِ باطل کی تردید کی اُسی روز سے کفار مکہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ساتھ دشمنی کرنے لگے۔ ہمہ قسم کے مظالم حضور اور آپ کے صحابہ پر ڈھائے گئے یہاں تک کہ ہجرت کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے باوجود کفار مکہ کی عداوت میں کمی نہیں آئی۔ بالاخر انہوں نے بدر کے میدان میں اپنی عداوت اور اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا۔ مولیٰ تعالیٰ نے اپنی حمایت ونصرت سے مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی اور کفار مکہ کو شکست فاش نصیب ہوئی۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

کفار مکہ کی سازش : کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ کو قتل کرنا چاہا اور حضور ﷺ کے گھر کا محاصرہ کیا۔مگر ہمارے حضور ﷺ اس طرح اپنے دولت کدہ سے نکل کر مدینہ روانہ ہو گئے کہ کفار دنگ رہ گئے ۔واقعہ ہجرت کے بعد کفار مکہ نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے اپنی تجارت کے منافع سے ایک حصہ مقرر کردیا اور یہ قوم تجارت میں ماہر تھی ۔اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ان کے تجارتی قافلوں پر بڑی کڑی نظر رکھی ۔یہ تجارتی قافلے ہی تھے جو جنگی ہتھیار فراہم کرنے میں کوشاں تھے۔

تجارتی قافلوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں آٹھ مسلمانوں کو روانہ کیا۔مقام نخلہ میں فریقین میں تصادم ہوا جس کے نتیجہ میں عمرو بن حضرنامی ایک مشرک مارا گیا۔یہ حادثہ ماہ رجب سن ۲ ہجری میں واقع ہوا مشرکین مکہ نے اس حادثہ کو مسلمانوں کے خلاف جنگ آرائی کا ذریعہ بنالیا۔اسی واقعہ کو بنیاد بنا کر انہوں نے دشمنوں کو خوب مشتعل کیا اور ماہ رجب جو کہ حرمت والا مہینہ ہے اس میں قتل کرنا عرب کے ہاں بہت بڑا جرم تھا۔الغرض عداوت مسلمین کو فروغ دینے کے لئے ایک مناسب بہانہ ان کے ہاتھ آ گیا۔پروردگارِ عالم نے اس غلط پروپگنڈے کی تردید میں آیت نازل فرمائی۔

یسئلون عن الشهر الحرام قتال فيه۔قل قتال فيه كبير۔وصد عن سبيل الله و كفر به والمسجد الحرام و اخرج اهله منه اكبر عندالله والفتنة اكبر من القتل۔اے نبی!لوگ آپ سے حرمت والے مہینہ میں جنگ کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اس مہینہ میں جنگ کرنا گناہِ عظیم ہے مگر راہِ خداوندی سے روکنا،اسکا انکار کرنا اور مسجد حرام سے روکنا پھر وہاں کے باشندوں کو ادھر سے باہر نکال دینا یہ جرائم تو اللہ کے نزدیک حرمت والے مہینہ میں جنگ کرنے سے بھی زیادہ سنگین ہیں۔فتنہ پھیلانا تو قتل کرنے سے بڑھکر گناہ ہے۔(البقرہ آیت ۲۱۷)

ابو سفیان کا قافلۂ تجارت : رسولِ کریم ﷺ کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ ابوسفیان بن حرب ایک بہت بڑا قافلہ لے کر ملک شام سے واپس ہورہا ہے۔اس قافلہ کا تعاقب کرنے کی غرض سے نبی کریم ﷺ دوسو مجاہدین کے ہمراہ روانہ ہوئے آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی ابوسفیان کا قافلہ نکل گیا،اُس قافلہ کی واپسی پر نظر رکھنے اور خبر رسانی کی خاطر حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو شمال کی طرف بھیجا گیا۔یہ دونوں مقامِ حوراء میں ٹھہر گئے ،ان دونوں نے مدینہ میں اطلاع پہنچائی کہ ابوسفیان ایک ہزار اونٹوں کے ساتھ مکہ واپس ہورہا ہے۔رسولِ کریم ﷺ

۱۷/رمضان سن ۲ ہجری کو دشمنانِ اسلام کی رسدگاہ کاٹنے کے لئے تین سو تیرہ صحابہ کے ہمراہ مدینہ نکلے۔ اُس وقت اس بات کی توقع نہیں تھی کہ میدان بدر میں کفارِ قریش سے زبردست جنگ ہوگی۔

ابوسفیان کے جاسوسوں نے اسے اطلاع دی کہ مسلمانانِ مدینہ اُس کے قافلہ پر حملہ آور ہونے والے ہیں اُس نے ضمضم غفاری کو مکہ روانہ کیا، اس نے اپنی قمیص اور چادر پھاڑ کر واویلا مچایا اور کہا کہ اے قریش ابوسفیان کو بچاؤ اسے محمد کے ساتھیوں کے نرغے سے بچاؤ۔ یہ سن کر کفار مکہ مشتعل ہوگئے، پس انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے جنگ جو بہادروں پر مشتمل ایک فوج تیار کی جس میں ابولہب کے سوا جملہ سردارانِ مکہ شامل تھے۔

کفار مکہ اپنی قوت اسلحہ اور کثرت پر نازاں تھے، مگر صحابہ کرامؓ کا سارا اعتماد نصرت خداوندی پر تھا، علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ وجمع اللہ بین المسلمین والکافرین علی غیر میعادلما یرید اللہ تعالیٰ من اعلاء کلمة المسلمین و نصرھم علی عدوھم والتفرقة بین الحق والباطل۔ (تفسیر ابن کثیر) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میدان میں مسلمانوں اور کافروں کو اچانک ملا دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کا بول بالا ہو اور پروردگار انہیں دشمنوں پر غلبہ عطا فرمائے اور حق وباطل کے درمیان امتیاز قائم کردے۔ مسلمانوں کا کسی خاص تیاری کے بغیر جنگ کے لئے آمادہ ہو جانا ان کے جذبۂ ایثار اور شجاعت کی علامت ہے۔ اس موقع پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

"یا رسول اللہ امض لما امرك اللہ به فنحن معك واللہ لا نقول لك كمال قال بنو اسرائیل لموسی (اذھب انت و ربك فقاتلا انا ھھنا قاعدون) ولكن اذھب انت و ربك فقاتلا انا معكما مقاتلون۔ فوالذی بعثك بالحق لو سرت بنا الی برك الغماد لجادلنا معك من دونه حتی تبلغه"۔ (تفسیر ابن کثیر)

اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاں بھی جانے کا حکم دیا ہے آپ جائیے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بات قوم بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کی، یعنی اے موسیٰ آپ اور آپ کا رب دونوں جاؤ اور جنگ کرو، ہم لوگ یاں بیٹھے رہتے ہیں۔ مگر ہم کہیں گے کہ آپ اور آپ کا رب جائیے اور جنگ کیجئے، ہم بھی آپ دونوں کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے۔ اُس رب کی قسم جس نے حق دے کر آپ کو بھیجا ہے اگر آپ ہم کو برک الغماد کی طرف بھی لے جائیے ہم ضرور آپ کے ساتھ ہو کر لڑتے یہاں تک کہ آپ ادھر پہنچ جاتے۔

اس موقع پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ بے شک ہم آپ پر ایمان لائے اور ہم نے آپ کی تصدیق کی، ہم نے گواہی دی کہ آپ کا لایا ہوا دین برحق ہے، ہم نے آپ کی فرمانبرداری کا عہد کیا ہے، جس طرف ارادہ ہو حضور تشریف لے جائیں۔ اگر آپ ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں اور آپ سمندر میں اتریں تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں اتر جائیں گے۔ حضرت سعد نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ حضور ہمیں امید

ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ہم سے وہ کام لے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائے گی۔ حضرت سعد کی ان ہمت آمیز اور ایمان افروز باتیں سن کر آپ نے تبسم فرمایا (سیرت نبویہ، ابن حشام)

رسولِ گرامی وقار ﷺ نے اپنے صحابہ کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا کہ سیروا وابشروا فان الله تعالی قدوعدنی احدی الطائفتین۔ والله لکأ نی انظر الی مصارع القوم۔ یعنی اے میرے صحابہ چلو اور خوشخبری سنو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو گروہوں میں کسی ایک پر غلبہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ قسم بخدا گویا کہ میں ان کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں (سیرت ابن ہشام)

ناظرین! کفارِ مکہ بالکل مسلح اور مکمل تیاری کے ساتھ نکلے تھے مگر دولت ایمانی اور جذبۂ شہادت سے محروم تھے۔ عمیر بن وہب نے کفار مکہ کی جانب سے جاسوسی کی اور بتایا کہ مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو ہے۔ لشکر مکہ کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بالکل کم ہے مگر اس نے کچھ ایسے انداز میں خطاب کیا کہ کفار کے حوصلوں میں پستی آ گئی، اُس کا خطاب یہ تھا۔ قدرأت یا معشرقریش البلایا تحمل المنایا....... الخ۔ یعنی اے جماعت قریش میں نے تم پر مصیبتوں کو اس طرح دیکھا ہے کہ وہ موت لے کر آ رہی ہیں۔ قسم بخدا مسلمانوں سے کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک تم میں سے ایک آدمی کو قتل نہ کر دے، اگر وہ اپنی تعداد کے برابر لوگوں کو ہی قتل کر دے تو تمہاری زندگی بے مزہ رہ جائے گی۔ (سیرت ابن ہشام)

اس خطاب کو سن کر بعض روسائے قریش نے واپسی کا ارادہ کیا مگر ابوجہل ضد اور ہٹ دھرمی کا مجسمہ بن گیا۔ اُس نے غضب ناک ہو کر کہا کہ کلا والله لا نرجع منی یحکم الله بیننا و بین محمد۔ یعنی قسم بخدا ہم لوگ ہرگز ہرگز اس وقت تک یہاں سے نہیں لوٹیں گے جب تک کہ اللہ اور ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔

مسلمانوں کو نہ اپنی طاقت پہ ناز تھا اور نہ اپنی تعداد کی وجہ سے وہ مرعوب ہوئے۔ ان کی نظر ہمیشہ فضلِ خداوندی پر رہی، لبِ مصطفیٰ ﷺ پر دعا جاری ہو گئی جو مستجاب ہو کر رہی۔ حضور اکرم ﷺ نے دعا مانگی کہ اے اللہ تو اپنا وعدہ نصرت پورا فرما، اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت برباد ہو گئی تو اس روئے زمین پر قیامت تک تیری عبادت نہیں ہو گی۔ صدیق اکبر عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ اللہ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا (طبری)

رسولِ گرامی وقار ﷺ کی نگاہ نبوت نے اندازہ کر لیا کہ ایک زبردست جنگ ہونے والی ہے لہذا آپ نے بچوں کو ہدایت دی کہ وہ واپس ہو جائیں، اس موقع پر حضرت عمیر بن وقاص رضی اللہ عنہ جن کی عمر سولہ برس کی تھی عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ اس غلام کو جہاد کا موقع دیجئے، اُن کے جذبۂ شہادت کو دیکھ کر حضور ﷺ نے انہیں مجاہدوں میں شامل ہونے کی اجازت دے دی۔

غزوۂ بدر کی شب زبردست بارش ہوئی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا، ریتلی زمین سخت ہوکر ہموار بن گئی جبکہ یہ بارش کفار کے لئے مصیبت و پریشانی کا سبب بن گئی۔

ابھی جنگ کا آغاز نہیں ہوا مگر محمد عربی ﷺ نے کفار کے قتل گاہوں کی نشاندہی فرمادی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فما ماط احدھم عن موضع ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم۔ (مسلم) یعنی رسول کریم ﷺ نے جس کافر کے بارے میں بتادیا کہ وہ اسی جگہ مریگا کوئی کافر اس جگہ سے ذرہ برابر نہیں ہٹا بلکہ اسی جگہ دم توڑا۔

آغاز جنگ سے پہلے نبی کریم ﷺ نے اہل بدر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ والذی نفس محمد بیدہ لایقاتلھم الیوم رجل فیقتل صابرا محتسبا مقبیلا غیر مدبر الاادخلہ اللہ الجنۃ۔ (سیرت ابن ہشام) قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ آج جو بھی کافروں سے لڑے گا اور صبر کرتے ہوئے اللہ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے پیٹھ نہ دکھا کر قتل ہوجائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے جنت میں پہنچادے گا۔

فرشتوں کا نزول : جنگ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد فرمائی چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکۃ مردفین۔ (الانفال) یعنی مومنو! جب تم لوگ اپنے پروردگار سے فریاد کررہے تھے تو مولیٰ تعالیٰ نے تمہاری التجا کو قبول کیا اور فرمایا کہ اے مسلمانو بے شک میں ہزار فرشتوں کو بھیج کر تمہاری مدد کروں گا جو پے در پے تم پر نازل ہونے والے ہیں۔

رسولِ گرامی وقار ﷺ اپنے صحابہ سے فرمارہے تھے جبرئیل امین علیہ السلام آئے ہوئے ہیں اور ان کے سر پر زرد عمامہ ہے، دیگر فرشتوں کے سروں پر سفید عمامے ہیں۔ یہ فرشتے کفار کی گردنیں ماررہے تھے۔ صحابہ نے کہا کہ ہم کسی کافر کی طرف اپنی تلوار بڑھاتے مگر ہم دیکھتے کہ ہماری تلوار لگنے سے پہلے ہی اس کا سر کٹ کر دور جا پڑتا۔ اس اثناء جبرئیل امین بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں کہ حضور اپنی مٹھی میں کنکریاں لے کر کفار کی طرف پھینک دیجئے، ان کنکریوں نے جنگ کا نقشہ بدل ڈالا اور بڑے بڑے سردارانِ قریش مارے گئے۔

ابو جہل کا قتل : حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میدان بدر میں دو انصاری نوجوان معاذ بن عفراء اور معوذ بن عفرا رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ ابوجہل کون ہے؟ میں نے پوچھا کہ تم دونوں اس کا کیا کروگے دونوں نے کہا ہم نے سنا ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے ہم اس کو قتل کردینا چاہتے ہیں۔ میدان جنگ میں ابوجہل اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ دیکھو ابوجہل دونوں نوجوانوں نے ابوجہل پر اتنی شدت سے حملہ کیا کہ وہ زخمی ہوکر گر پڑا دونوں حضور کی بارگاہ میں پہنچے تو آپ نے دونوں کی تلواروں کو دیکھ کر فرمایا کہ تم دونوں نے اُس ظالم کو قتل کیا ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کا سر قلم

کیا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مات فرعون ھذہ الامۃ۔ اس امت کا فرعون مر گیا۔

ابو لہب کا انجام : جب ابولہب کو خبر ملی کہ مسلمان غالب آگئے تو وہ آپے سے باہر ہو گیا۔اس واقعہ کے بعد وہ صرف سات دن زندہ رہ سکا اس کے جسم میں پھوڑا نکل آیا جس کی بد بو کی وجہ سے کوئی اسے غسل دینے اور دفن کرنے تیار نہیں تھا بالاخر اس کی لاش کو ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا۔

مردوں سے خطاب : جنگ کے اختتام پر کفار کی لاشوں کو ایک کنئویں میں ڈال دیا گیا اور حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا ھل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا۔ کیا تم لوگوں نے رب کے وعدہ کو حق پایا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور یہ تو مردے ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ ما انتم با سمیع منھم یعنی یہ لوگ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ بخاری کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا انھم یسمعون ما اقول۔ بے شک یہ مردے میری باتوں کو سن رہے ہیں۔

قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک : جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر قیدی بنائے گئے عام سپہ سالاروں کے رویہ سے ہٹ کر نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو تاکید فرمائی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور ان کے کھانے پینے کا انتظام کریں۔صحابہ نے حضور کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے قیدیوں کے ساتھ ایسا بہترین برتاؤ کیا کہ ان کے دل پگھل گئے اور اسلام کی طرف ان کی رغبت بڑھ گئی۔

بدر کی کامیابی پر مسلمانوں کی مسرت: اہل مدینہ بے چینی سے جنگ کے انجام کے بارے میں جاننے کے لئے منتظر تھے۔سب کی یہی آرزو تھی کہ اہل اسلام کو غلبہ نصیب ہو۔اس کے برخلاف یہود مدینہ اور منافقین نے افواہوں کا جال پھیلا رکھا تھا کہ اب مسلمان زندہ واپس نہیں آئیں گے۔لہذا رسول گرامی ﷺ نے جنگ کے اختتام کے فوراً بعد دو صحابہ کو حکم دیا کہ وہ تیزی سے مدینہ روانہ ہوں اور اہل مدینہ کو اس عظیم الشان کامیابی کی خوشخبری سنا دیں۔وہ دو صحابہ تھے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما۔

جب دونوں صحابہ مدینہ پہنچے اور خوشخبری سنائی تو مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی مگر منافقوں کے دل اداس ہو گئے ۔انہوں نے اس خوشخبری کا کوئی حیلوں اور بہانوں سے انکار کیا یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور صحابہ نے مشرکین مکہ کے قیدیوں کو مدینے میں پہنچا دیا۔اب منافقین کو سوائے خاموشی کے کوئی چارہ نہیں تھا۔

مشرکین مکہ کی پریشانیاں: جب مشرکین مکہ کو یہ اطلاع ملی کہ مٹھی بھر مسلمانوں نے کفار کے لشکر جرار کو شکست دیدی تو ان کے ہوش اڑ گئے وہ اس خبر کی تصدیق نہیں کر سکتے تھے مگر جب ابوسفیان نے خود انہیں بتایا کہ واقعی مسلمان غالب آگئے اور بڑے بڑے سردار مارے گئے اور بعض کو قیدی بنا لیا گیا تو سوائے تعجب اور افسوس کے ان کے پاس

کوئی چارہ نہ رہا۔ انہیں اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں پر خدا کی رحمت واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔

قیدیوں کے متعلق صحابہ سے مشورہ: رسولِ گرامی وقار ﷺ نے قیدیوں کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا کہ ان کو رہا کر دیا جائے یا قتل کیا جائے؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وانی اری ان تا خذالفداء منهم فيكونو ما اخذنا منهم قوة لنا على الكفار و عسى الله ان يهديهم بك ۔ یعنی یارسول اللہ ﷺ میری رائے ہے کہ آپ ان سے فدیہ لیکر انہیں رہا کر دیں فدیہ کی رقم ہمارے کام آئے گی جسے ہم کفار کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں۔ اللہ سے امید ہے کہ وہ آپ کے ذریعہ ان کافروں کو ہدایت دیدے۔ (سیرۃ الرسول) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ کو اذیتیں پہونچائیں، آپ کے قتل کی سازش کی لہذا میری رائے یہ ہے کہ ہر قیدی کو اسکے رشتہ دار مسلمان کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ اس کی گردن اڑادے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ یارسول اللہ ان قیدیوں کو آگ کے گڑھے میں پھینک کر جلایا جائے تاکہ وہ راکھ ہوجائیں۔

رسول گرامی وقار ﷺ نے صدیق اکبر کی رائے کو پسند فرمایا۔ چنانچہ فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کیا گیا۔ دوسرے دن جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوی میں پہنچے تو دیکھا کہ حضور ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آبدیدہ ہیں۔ عرض کیا کہ حضور! آپ اور صدیق اکبر کیوں رو رہے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آیت کریمہ نازل ہوئی جسمیں فدیہ لینے اور قیدیوں کو رہا کرنے پر عتاب آیا ہے۔ ماكان لنبى ان يكون له اسرى حتى يشخن فى الارض تريدون عرض الدنيا والله يريد الاخرة۔ والله عزيز حكيم۔ (الانفال) کسی نبی کو یہ مناسب نہیں کہ اس کے قیدی زندہ رہ جائیں یہاں تک کہ وہ ظالم کافروں کا زمین میں خوب خون بہادے۔ تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت کا ثواب چاہتا ہے۔ اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

فدیہ کی مقدار چالیس اوقیہ مقرر ہوئی اور جس کے پاس فدیہ دینے کی حیثیت نہیں تو وہ دس مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھادے۔ اس تجویز کے ذریعہ نبی کریم ﷺ نے تعلیم کی اہمیت واضح فرمادی۔

الغرض جنگ بدر کی فتح نے مسلمانوں کا حوصلہ بلند کر دیا جبکہ کفار کو سخت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس جنگ میں صحابہ کو ایسی نصرت خداوندی نصیب ہوئی کہ اسلام کا پرچم ہمیشہ کے لئے سربلند ہوگیا۔ مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اہل بدر کے طفیل تمام مسلمانوں کے اندر جذبہ شہادت اور دینی حمیت پیدا فرمائے آمین

وما توفيق الا بالله العلى العظيم

جب ڈوبا سورج لوٹ آیا

از: مولوی سید شاہ محمد ابراہیم باقوی

نرسمہا راجپور، کرناٹک

نبوی دور کی بات ہے جبکہ نمازیں با جماعت ابھی واجب نہیں ہوئی تھیں واقعہ معراج کے بعد اہل ایمان وقت کے مطابق اپنے اپنے طور نمازیں ادا فرمایا کرتے۔ایک دن کی بات ہے شام کے وقت اللہ کے آخری نبی رحمت عالم نورِ مجسم حضور سرورکون ومکاں خاتم النبین محمد رسول اللہ ﷺ اور چوتھے خلیفہ راشد امیر المومنین باب مدینۃ العلم حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ چہل قدمی فرماتے ہوئے کہیں دور جا نکلے،ایک ٹیلے پر دونوں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کو کچھ دیر آرام کرنے کا خیال آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سرِ مبارک رکھ کر لیٹ گئے اور آپ ﷺ پر تھوڑی دیر کیلئے نیند کا غلبہ ہوا،اسی کے ساتھ خلیفہ راشد کے جذبہ عشق ومحبت کے امتحان کا آغاز بھی ہوا۔ایک طرف قانون شریعت پکار رہا تھا کہ علی سورج ڈوبنے کو ہے نماز عصر کا وقت اختتام پذیر ہے اور مغرب کے وقت کا آغاز ہونے کو ہے،اٹھو جلدی کرو نمازِ عصر ادا کرلو کہیں قضاء نہ ہوجائے تو دوسری طرف روح علی رضی اللہ عنہ سدا پر سدا دے رہی تھی،علی رضی اللہ عنہ آج تیرا مقدر عوج پر ہے آج تیرے زانو پر کائنات کی سب سے عظیم ہستی ورفعنا لك ذكرك۔ جن کی شانِ عظیم ہے۔بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر جا کا اعلیٰ وارفع مقام ہے کہیں اس کے آرام میں خلل نہ ہوجائے اور تیری عظمت ورفعت کھٹائی میں نہ پڑ جائے ،نماز قضا ہو تو ہو منجانب رب العالمین بہ وسیلۂ رحمت للعالمین نعم البدل کا انتظام ہوجائے۔شریعت وعقیدت ان دونوں کے جذبات کی کشمکش ہی میں تھے کہ سورج ڈوب گیا اور وقت عصر ختم ہوگیا۔علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسوں کا سیلاب امنڈ آیا،آنسو کے دو چار قطرے رخسار نبوی پر گر پڑے بس سرکار بیدار ہوگئے زبان رسالت متحرک ہوئی ارشاد فرمایا ''اے علی کیوں رو رہے ہو'' حضرت علی نے ساری حقیقت من وعن بیان فرمائی۔اس پر سرکار نے فرمایا علی ادا چاہتے ہو یا قضاء، یہ وہی علی تھے جو عشق ومحبت کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے شہر علم کے دروازہ تھے،جن کی نظر رضاء مالک پر ٹکی ہوئی تھی،قضاء کیوں چاہتے،فرمایا رسول اللہ روحی فداک،اے اللہ کے نبی آپ پر میری جان قربان ادا کا طلبگار ہوں۔پھر کیا تھا دریائے رسالت جوش میں آیا اور آپ ﷺ سے ایک عجیب وغریب معجزہ رونما ہوا۔دنیا نے دیکھ لیا کہ آپ کے فرمانے پر ڈوبا سورج

پھر سے نکل آیا"معجزہ میرے نبی کا جو کہہ یا وہ ہو گیا"

آپ ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ نے اطمینان کے ساتھ نمازِ عصر ادا فرمائی۔ بہت ساری اسلامی خواتین کی روایا تیں اس باب میں نقل کی گئی ہیں کہ ہم مغرب ہو جانے کے تصور سے گھروں میں چراغ جلا چکی تھیں اور بعضوں نے تو مغرب کی نماز بھی شروع فرما چکی تھیں پھر اچانک دنیا روشن ہو گئی تھوڑی دیر کے بعد آہستہ آہستہ سورج کی روشنی مدہم پڑھ گئی اور غروب کا عمل مکمل ہوا پھر سے ہم نے چراغ جلائی اسی حال میں تھے کہ روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نزول ہوا بعد از سلام یوں گویا ہوئے، یا نبی اللہ اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام وقت کے نمرود سے ہملام تھے اور اس کے دعوۂ ربوبیت پر دلیل طلب کرتے ہوئے فرما رہے تھے میرا رب تو وہ ہے جو روزانہ سورج کو مغرب سے نکالتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے۔اگر تو اپنی ربوبیت میں سچا ہے تو ذرا مغرب سے سورج کو نکال کے بتا، ابوالانبیاء کے سوال پر نمرود مبہوت ساکت وسالت اور لاجواب ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ڈوبے سورج کو نکالنا سوائے رب العالمین کے کسی اور کے بس کی بات نہیں۔آپ کی قوم تو پہلے ہی سے تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش کر رہی ہے، آپ کا یہ اعجاز دیکھ کر کہیں آپ کو بھی رب تصور نہ کرلیں لہذا فرما دیجئے کہ میں بھی تم جیسا انسان ہوں، البتہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔اور سورۃ کہف کی آخری آیت شریفہ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الھکم الہ واحد۔ سے آخر تک نازل ہوئی۔

اے عقل وخرد رکھنے والو اس واقعہ سے سبق حاصل کرو فاعتبرو یا ولی الابصار۔ نہ کہ یہ سمجھ بیٹھو کہ وہ ذات جسکی انگشت مبارک کے اشارہ سے بدر کامل اپنا سینہ چاک کردے دوبارہ نکل آئے قندق میں چٹان پر ضرب لگائے تو فارس کے خزانہ نظر آئیں ایسی ذات گرامی بھی تم جیسے انسان ہے۔خدائے ذوالجلال ہر صاحب ایمان کی اسطرح کی بدعقیدت سے حفاظت فرمائے ہر ایک کو نبی کریم ﷺ کا عاشق صادق بنائے

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

وآخر دعوان الحمد للہ رب العالمین۔

اخلاق وآداب کی باتیں

(دوسری قسط)

مولف: حضرت مولانا مولوی مفتی ابوالخیر سید شاہ شہاب الدین قادریؒ

تاریخ پیدائش: 1898ء تاریخ وفات: 1965ء

پیش کش: حکیم سید محمد شاہ شاہِ عالم قادری

بن حاجی سید محمد شاہ بدرِ عالم قادری

سجادہ نشین خانقاہ و درگاہ حضرت سید شاہ جامِ عالم قادری شطاریؒ

حضرت مولانا مولوی مفتی ابوالخیر سید شاہ شہاب الدین قادریؒ حضرت سید شاہ جمال الدین قادری وشطاری کے دوسرے فرزند ہیں۔آپ نے حضرت مولانا مولوی حافظ الحاج شمس العلماء محی الدین سید شاہ عبدالطیف مکی قادریؒ سے بیعت وخلافت حاصل کی۔آپکا نکاح حضرت مولانا مولوی حافظ ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری قدس سرہٗ نے پڑھائے تھے۔اور آپ کی جنازہ کی نماز مولانا مولوی ابوصالح عمادالدین سید شاہ محمد ناصر قادریؒ المعروف بہ میراں پاشاہ حضرت نے پڑھائی تھی۔آپکے بڑے فرزند حاجی پروفیسر سید محمد شاہ بدرِ عالم قادری اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادریؒ کے پہلے خلیفوں میں سے ہیں۔اور آپ کے پوتے حکیم سید شاہ شاہِ عالم قادری جو اس مضمون کو پیش کرتے ہیں، مولانا ڈاکٹر ابومحمد سید شاہ محمد عثمان قادری عفی عنہ سجادہ نشین خانقاہ مکان حضرت قطب ویلورو ناظم دارالعلوم لطیفیہ کے خلیفہ ہیں۔

اخلاق وآداب کی باتیں

۵۱) شرف وبزرگی بلند ارادوں کے ذریعہ ہے نہ کہ بوسیدہ خیالات کے ذریعے۔

۵۲) جوارذل (ذلتوں) پر سوار ہوا اس نے افاضل کو ہلاک کردیا۔

۵۳) جس نے بدخلقی اختیار کی اس نے فراق وجدائی کو پایا اور جس نے اخلاق بلند کیا اس نے وصال یعنی (ملاقات) کو پالیا۔

۵۴) تمام کی تمام عقل کے تابع ہیں اور رادی (حکمت، شجاعت) تجربہ کے تابع ہیں اور عقل اس کی ثابت قدمی ہے، اور اس کا پھل بدلہ سلامتی ہے، اور اعمال تمام کے تمام تقدیر کے تابع ہیں

۵۵) جس نے عواقب اور انجام پر غور کیا وہ پریشانیوں سے محفوظ ہو گیا۔

۵۶) قلتِ فضائل سے رسائل کمزور ہو جاتے ہیں۔

۵۷) جوع خضوع سے بہتر ہے، یعنی بھوکا رہنا کسی کے سامنے جھکنے سے بہتر ہے۔

۵۸) کہا گیا ہے، نفعت محبت واجب کر دیتا ہے اور نقصان نفرت واجب کر دیتا ہے۔ اور مخالفت عداوت پیدا کرتی ہے اور متابعت الفت پیدا کرتی ہے۔

۵۹) انصاف تمام دلوں کو ملا دیتا ہے اور جور (ظلم) پھوٹ پیدا کرتی ہے اور حسن الخلق محبت و مروت پیدا کرتی ہے، اور لوٗ الخلق دوری پیدا کرتی ہے۔ انبساط (خوشی) موانت پیدا کرتا ہے۔ اور انقباض وحشت پیدا کرتا ہے، اور گھمنڈ غصہ پیدا کرتا ہے اور تواضع بلندی پیدا کرتی ہے۔

۶۰) سخاوت مدع پیدا کرتی ہے اور بخل دولت پیدا کرتا ہے۔

۶۱) جو اپنی زندگی سے خوش نہیں اسے موت کا غم نہیں۔

۶۲) احتیاط عاقل کی حکمت ہے اور جاہل کی جہالت۔

۶۳) کشادہ اخلاق انسان کی زندگی کو خوش بنا دیتا ہے۔

۶۴) اچھی مواصلت (ملاقات) قدر کو بڑھا دیتا ہے۔ صالح اخلاق تزکیہ اعمال ہے

۶۵) انجام کے غور و فکر میں نجات ہے۔

۶۶) جو حلیم (بردبار اور غصہ سہنے والا) نہیں وہ شرمندہ ہوا

۶۷) جس نے صبر کیا اس نے اچھا بدلہ پایا

۶۸) جو خاموش رہا وہ محفوظ رہا۔

۶۹) جس نے اپنے خواہشات کی پیروی کی وہ گمراہ ہو گیا۔

۷۰) جس نے بھلائی بوئی وہ سرور کاٹے گا۔

۷۱) جو نصیحت حاصل کرے، حاصل کر کے جو دیکھے، اور جو دیکھے وہ سمجھے اور جس نے سمجھا اُس نے جانا۔

۷۲) جب تو نادانی کرے تو فوراً سوال کر اور جب تو ذلیل ہوئے تو فوراً لوٹ جا اور جب برائی کرے تو شرمندہ ہو۔

۷۳) اُس کام کو نہ کرو جو تم کو فائدہ نہ پہنچائے۔

۷۴) اپنے مال پر بھروسہ نہ کرو۔

۷۵) آج کا کام کل پر نہ ڈال۔

۷۶) جو کوشش پر سوار ہوا اس نے اپنی ضد کو پالیا۔

۷۷) کسی پر بھروسہ نہ کرو، اس لئے کہ کوئی بھی عاقل یا جاہل دشمن سے بہتر نہیں ہے۔

۷۸) منکر کبھی بھی دوست نہیں ہوتا۔

۷۹) راستے کے بارے میں اپنے دوست سے پوچھو، اور گھر کے بارے میں پڑوسی سے پوچھو۔

۸۰) تم اپنے بھائی کے عیب کو چھپاؤ جب تم جانو۔

۸۱) ہر شخص اپنی عقل سے راضی ہے۔

۸۲) مشورہ عین ہدایت ہے۔

۸۳) جو امیدوں کو پانے کی کوشش کرتا ہے وہ اس کے قریب ہو جاتا ہے۔

۸۴) جو کسی چیز کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کی طرف اسکی حرص بڑھ جاتی ہے۔

۸۵) معصیت سے بچو کوئی بھی اس سے بری نہیں۔

۸۶) جاہل سے یہ امید نہیں کہ وہ جاہل کی صحبت اختیار کرے، یا جاہل کو اپنا ساتھی بنائے، لیکن عاقل سے یہ امید ہے کہ وہ جاہل کو اپنا ساتھی دوست بنائے۔

۸۷) زبان ایک کانٹے والی تلوار ہے، اس سے کوئی محفوظ نہیں اور زبان سے نکلی ہوئی بات تیر کی طرح ہے جس کا لوٹنا ممکن نہیں۔

۸۸) لوگوں میں سب سے زیادہ جاہل وہ ہے جو غلطیاں زیادہ کرے اور اچھائیاں کم کرے۔

۸۹) جب لوگوں پر نفاق ظاہر ہو جائے تو اس کی اطاعت نہ کرو

۹۰) جس نے اپنا راز ظاہر کیا اس نے اپنا کام بگاڑا۔

۹۱) اپنی کمزوری کا شکوہ دشمن کے سامنے نہ کرو۔

۹۲) آخرت کی تھوڑی سی فکر اس کے انجام کے ذلت سے بہتر ہے۔

۹۳) جاہل کے یقین سے عاقل کا ظن زیادہ صحیح ہے۔

۹۴) جس نے جیسا کیا ویسا پایا۔

۹۵) جس نے جواب میں جلدی کی اس نے جواب میں غلطی کی۔

۹۶) عقلمندوں کی معاشرہ عمارۃ القلوب ہے، شر برے آدمی کی محبت سے ہوتی ہے۔

۹۷) جس نے کھانا کھانے میں تاخیر کی اس نے کھانے کی لذت محسوس کی، اور جس نے نیند کو تاخر کیا اس نے نیند کی لذت کو پایا۔

۹۸) بسا اوقات اندھا راستہ پا جاتا ہے اور انکھیاں غلطی کر جاتی ہیں۔

۹۹) اپنے مقصد میں ناامیدی بہتر ہے لوگوں کی طرف جھکنے سے۔

۱۰۰) آدمی کی آپس داری قدم کو بڑھاتی ہے، اور اچھے اخلاق سے نعمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

۱۰۱) علماء نے چار کلمات چار کتب سے منتخب کئے ہیں۔

۱) توریت سے　　جس نے قناعت کی وہ آسودہ ہو گیا۔

۲) انجیل سے　　جس نے اعتزال اختیار کیا وہ نجات پا گیا۔

۳) زبور سے　　جو خاموش رہا وہ محفوظ رہا۔

۴) قرآن مجید سے　　جس نے اللہ کی رسی کو مضبوط سے پکڑ لیا اسکو صراط مستقیم کی ہدایت مل گئی۔

نوٹ: اس مضمون کی پہلی قسط سالنامہ اللطیف 2016ء میں حضرت مولانا مولوی مفتی ابوالخیر سید شاہ شہاب الدین قادریؒ کو بڑے فرزند لکھا گیا ہے۔ آپ حضرت کلیم سید شاہ جمال الدین قادری وشطاری کے بڑے فرزند نہیں دوسرے فرزند ہیں۔

حوالہ:

۱) آپ کی ڈائیری

۲) خطوط

۳) اللطیف ۱۳۸۸ھ

وما علینا الا البلاغ

پروفیسر سید سجاد حسین کی کہانی خود ان کی زبانی

میں پروفیسر سید سجاد حسین ہوں میرا آبائی وطن پنکنور ہے۔گذشتہ ۳۵ سال سے مدراس یونی ورسٹی کے شعبہ اردو میں درس وتحقیق کی خدمات انجام دے رہا ہوں۔میرے جد اعلیٰ حضرت سید میراں شاہ قادریؒ کا شمار بیجاپور کے صاحب کشف اولیائے کرام میں ہوتا ہے۔دکن پر شہنشاہ عالمگیر کے حملے کے بعد جب یہاں کی خود مختار حکومتوں کا شیرازہ بکھرنے لگا تو بیجاپور کے اولیائے کرام اور بزرگان دین جنھوں نے دینی تبلیغ اور تحفظ امن وسلامتی کے لئے دوسرے مقامات کی ہجرت اختیار کی تھی ان میں میرے جد اعلیٰ حضرت سید میراں شاہ قادریؒ بھی شامل تھے موصوف اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے آندھرا پردیش کا ایک مردم خیز علاقہ پنکنور میں آکر سکونت پذیر ہوگئے۔یہیں پر آپ نے ۲۳ سال تک دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے دور میں پنکنور تعلقہ کے سینکڑوں خاندان مشرف بہ اسلام ہوئے اور اس وقت آپ کے عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد پنکنور اور اس کے مضافات میں آباد تھیں۔زمانے کے ساتھ ساتھ یہاں کی مسلم آبادی میں اضافہ ہوتا گیا اور آج پنکنور شہر میں مسلمانوں کی ایک قابل لحاظ آبادی مقیم ہے۔آپ کی روحانی شخصیت اور کشف و کرامات سے متاثر ہوکر اس وقت کے راجا نے آپ کو بطور انعام جاگیریں پیش کیں۔میرے دادا حضرت سید سلیمان قادری اپنے وقت کے جید عالم دین تھے اور والد محترم پروفیسر سید حمزہ حسین عمری کا شمار عربی، فارسی واردو کے صاحب تصنیف علماء میں ہوتا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ صوبہ تمل ناڈو میں آزادی کے بعد فارسی زبان پر جن حضرات کو دسترس حاصل تھی ان میں میرے والد بزرگوار کو ایک منفرد مقام حاصل تھا۔سفارت خانہ ایران سے جب بھی کوئی وفد مدراس آتا تو وفد کے اراکین سے فارسی زبان میں گفتگو کے لئے میرے والد بزرگوار کو دعوت دی جاتی اور اس طرح وہ حکومت کی نمائندگی کیا کرتے تھے۔آپ کو تلگو زبان پر بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔آپ نے تلگو زبان کے مشہور زمانہ شاعر ویمنا کے کلام کو فارسی زبان میں منتقل کرکے ماہرین فارسی زبان سے داد وتحسین حاصل کی تھی۔

روزگار کے لئے والد محترم مدراس منتقل ہونے کے بعد میرے تمام بھائی وبہنوں کی تعلیم وتربیت یہاں کے مقامی اسکولوں اور کالجوں میں ہوئی۔میری دینی تعلیم والد محترم کی سرپرستی میں ہوئی۔عصری تعلیم کا آغاز ۱۹۶۰ء میں ہوا۔ ۱۹۷۲ء میں میں نے میٹرک مکمل کیا۔۱۹۷۵ء میں مدراس یونی ورسٹی سے بی ایس سی کی ڈگری حاصل کی اور اسی یونی ورسٹی

سے ۱۹۷۸ء میں ایم اے اردو کی سند حاصل کی اور ۱۹۷۹ء اور ۱۹۸۲ء میں بالترتیب ایم فل اور پی ایچ ڈی کی اعلیٰ اسناد سے سرفراز ہوا۔

۱۹۷۹ء میں میری پہلی کتاب 'قاضی بدرالدولہ حیات اور کارنامے' منظر عام پر آئی۔ یہ دراصل میرے ایم فل کا مقالہ تھا۔ قاضی بدرالدولہ کا شمار مدراس کے ان معتبر اہل قلم میں ہوتا ہے جنھوں نے ایک ایسے دور میں اپنی تصانیف سے دین ومذہب اور اردو زبان کی آبیاری کی تھی جب کہ میر وسودا ابھی گوشہ گمنامی میں تھے۔ میری اس کتاب کے اشاعت کے وقت میں شعبہ اردو میں ریسرچ کے مراحل طئے کر رہا تھا۔

۱۹۸۳ء میں لکچرار کی حیثیت سے میرا تقرر عمل میں آیا تھا اس وقت پروفیسر نجم الہدیٰ صدر شعبہ کی حیثیت سے خدمات پر مامور تھے۔ آپ میرے استاد بھی ہیں اور میرے پی ایچ ڈی کے نگران کار بھی۔ شعبہ اردو مدراس یونی ورسٹی کا قیام ۱۹۳۰ء میں ہوا تھا اس وقت پروفیسر محمد حسین نینار، پروفیسر محوی صدیقی اور نواب منور حسین گوہر (صاحب تذکرہ اشارات بینش) اپنی تحقیقی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ۱۹۵۱ء میں ان کی سبکدوشی کے بعد پروفیسر یوسف کوکن عمری، پروفیسر محمد یوشع، پروفیسر انوار الحق اور پروفیسر حیدر علی خان شعبہ عربی، فارسی و اردو سے وابستہ رہے اور یہ حضرات ۱۹۷۵ء تک اپنے تحقیقی کاموں سے شعبہ کی آبیاری کر رہے تھے۔ ۱۹۷۶ء میں جب مدراس یونی ورسٹی میں تحقیق کے ساتھ ساتھ ایم اے کی سطح پر اردو میں تدریس کا آغاز ہوا تو شعبہ میں پروفیسر نجم الہدیٰ بحیثیت صدر شعبہ، پروفیسر سید وحید اشرف بحیثیت فارسی ریڈر، ڈاکٹر نثار احمد بحیثیت عربی لکچرار اور سید صفی اللہ بحیثیت اردو لکچرار اپنی خدمات انجام دے رہے تھے۔

شعبہ اردو مدراس یونی ورسٹی میرے لئے ایک مادر علمی سے کم نہیں ہے یہیں سے میں نے تعلیم وتحقیق کے مراحل طئے کئے تھے اور مجھے علمی بصیرت بھی یہیں سے عطا ہوئی تھی۔ مجھے طالب علمی کے دور سے ہی تحقیق وتنقید سے گہرا لگاؤ تھا۔ شاعری کا ذوق مجھے والد بزرگوار کی تربیت سے عطا ہوا تھا۔ مجھے یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ میں طالب علمی کے دور میں انجمن طلبائے اردو مدراس یونی ورسٹی کا تین مرتبہ صدر منتخب ہوا تھا۔ ۱۹۸۳ء میں لکچرار کا عہدہ سنبھالنے کے بعد شعبہ کی ترقی وبقاء کے لئے شب وروز کوشاں رہا۔ مستحق ونادار طلباء وطالبات کے لئے اردو کی تنظیموں اور اداروں سے مالیہ فراہم کرنا اور ہاسٹل میں مقیم طالبات کی کفالت کرنا میں اپنا فریضہ سمجھ کر انجام دیتا رہا۔ شعبہ کی پہچان اور اس کے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے پورے خلوص وایمان داری کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو بھی ادا کرتا رہا۔ ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۹ء تک میری چار کتابیں

منظرِ عام پر آئیں۔'آثار و افکار'، 'خوشبو کے داغ'، 'وانمباڑی کے تین شاعر: خالص، اسرار و مسحور' اور 'تنقید شناسی' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اسی اثنا میں تقریباً دس سے زیادہ قومی اور بین الاقوامی سیمیناروں میں شریک ہو کر میں نے اپنے مقالے بھی پیش کئے۔ میرے ان علمی اور تحقیقی کاموں کی بدولت ۱۹۹۰ء میں ترقی کر کے ریڈر کے عہدہ پر فائز ہوا۔ ۱۹۹۰ء کے بعد تحقیقی و تدریسی فرائض کے ساتھ ساتھ شعبہ میں قومی اور بین الاقوامی سیمیناروں کے انعقاد کے لئے میں نے ایسا سازگار ماحول بنائے رکھا کہ الحمدللہ آج تک پچیس سے زیادہ کامیاب قومی و بین الاقوامی سیمینار منعقد کئے جا چکے ہیں۔

پروفیسر محمد حسن، شمس الرحمٰن فاروقی، پروفیسر گیان چند جین، پروفیسر گوپی چند نارنگ، پروفیسر عبدالحق، پروفیسر ستار دلوی، پروفیسر منشاء الرحمٰن منشاء، پروفیسر م ن سعید، پروفیسر سلیمان اطہر جاوید، پروفیسر وہاب اشرفی، پروفیسر عطا کریم برق، پروفیسر یوسف سرمست، پروفیسر غلام عمر خاں، پروفیسر زماں آزردہ، پروفیسر افضل الدین اقبال، پروفیسر قمر رئیس، پروفیسر حمید سہروردی، پروفیسر ابوالکلام قاسمی، پروفیسر بیگ احساس، پروفیسر علی احمد فاطمی، پروفیسر فہمیدہ بیگم، پروفیسر ہاشم علی، پروفیسر نظام الدین گورے کر، پروفیسر خالد سعید، پروفیسر عقیل ہاشمی، پروفیسر فوزیہ چودھری، پروفیسر نسیم الدین فریس، پروفیسر ابوالکلام، پروفیسر صغیر افراہیم کی حاضری بھی انھیں سیمیناروں کی مرہونِ منت ہے۔

۱۹۹۶ء میں جب پروفیسر کے معزز عہدے پر فائز ہوا تو جامعات ہند کے تمام شعبہائے اردو سے میرا ربط ضبط مزید استوار ہوا۔ یو جی سی اور یو پی ایس سی کی اردو نصابی کمیٹیوں میں شمولیت کا اعزاز مجھے حاصل ہوا۔ قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو کی مختلف کمیٹیوں میں کام کرنے کا موقعہ بھی نصیب ہوا۔ جنوبی ہند کی مختلف یونیورسٹیوں کی نصاب ساز کمیٹیوں میں بحیثیت رکن کے آج بھی برابر شریک ہوتا رہتا ہوں۔ نیز بی او ای اور ڈاکٹورل کمیٹیوں سے میری وابستگی بھی بہت پرانی ہے۔

میرے ۳۵ سالہ ادبی سفر کے دوران صوبہ تمل ناڈو کے مختلف اداروں اور انجمنوں نے مجھے متعدد بار ایوارڈ و اعزاز سے نوازا ہے۔ کبھی شبلی ایوارڈ تو کبھی ابوالکلام آزاد ایوارڈ، کبھی اقبال ایوارڈ تو کبھی حالی ایوارڈ سے نواز کر میری ادبی و تحقیقی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ تمل ناڈو کے سابق گونر عزت ماب سرجت سنگھ برنالا جی نے ۲۰۰۴ء میں میری مجموعی خدمات کے اعتراف میں مجھے ایوارڈ و اعزاز سے نوازا تھا۔ ۲۰۱۰ء میں انٹرنیشنل لسانی کانفرنس منعقدہ بینکاک میں شرکت کا موقع بھی مجھے نصیب ہوا اسی کانفرنس میں مجھے International Alphabet Association کا معتمد عمومی

کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔ مجھے یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ میں شہر مدراس کی اردو تنظیموں اور اداروں سے وابستہ ہوں۔ انجمن ترقی اردو کا صدر اور حلقہ ارباب ذوق تمل ناڈو کا نائب صدر، تمل ناڈو اردو فائنڈیشن کا معتمد عمومی اور انجمن دانشمندان اردو کا سرپرست ہوں۔ اسی طرح اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں مصروف اردو انجمنیں وقتاً فوقتاً میری رہنمائی اور سرپرستی حاصل کرتی رہتی ہیں۔ دوردرشن چنئی کے زیر اہتمام منعقدہ مشاعروں کی نظامت کے فرائض بھی انجام دیتا آرہا ہوں۔ اب تک بیس سے بھی زیادہ مشاعروں کی نظامت کر چکا ہوں۔

جنوبی ہند کے اہل قلم کی تصانیف اور شعرائے کرام کے مجموعوں پر میں نے مقدمے بھی قلم بند کئے ہیں ایسے ہی اہل قلم حضرات اور شعرائے کرام میں حسن فیاض، پروفیسر خلیل احمد، سہیل نظام، پروفیسر قاضی حبیب احمد، پروفیسر شکیلہ گورے خان، پروفیسر سید وصی اللہ بختیاری، جناب لطیف ناظم، ڈاکٹر امان اللہ، حضرت جمیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک مترجم کی حیثیت سے بھی میں نے اپنی شناخت قائم کی ہے۔ ملیام ادب کی تاریخ کو میں نے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ یہ ضخیم کتاب ۱۹۹۶ء میں ساہتیہ اکیڈمی دہلی سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کو صوبہ کیرل کے ڈگری کالجوں میں شامل نصاب بھی کیا گیا۔ اسی طرح میری مرتب کردہ اردو کی نصابی کتاب 'سوغات ادب' مطبوعہ مدراس یونی ورسٹی بھی شہر مدراس کے ڈگری کالجوں کے نصاب میں شامل ہے۔ شعبہ اردو مدراس یونی ورسٹی میں تمل ناڈو میں اردو تنقید کے موضوع پر جو پی ایچ ڈی کا مقالہ پیش ہوا تھا اس میں تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل میرے تنقیدی مضامین کا جائزہ لے کر ان کی قدر و قیمت متعین کی گئی ہے نیز میرے تنقید موقف کو اجاگر کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔

ایک محقق اور نگراں کار کی حیثیت سے میرے ماتحت اب تک ۲۵ پی ایچ ڈی اور ۱۰۰ سے زیادہ ایم فل کے مقالوں پر ڈگریاں تفویض ہو چکی ہیں۔ حال ہی میں میرے ۲۰ تحقیقی مضامین کا مجموعہ 'ارتکاز نقد و نظر' کے نام سے قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو کے مالی تعاون سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں بابائے اردو تمل ناڈو جناب علیم صبا نویدی کا ایک بسیط مقدمہ بھی شامل ہے۔ جس میں میرے تحقیقی نقطہ نظر کا گہرائی اور گیرائی کے ساتھ محاکمہ کیا گیا ہے۔

مجھے اس بات کا فخر بھی ہے کہ میرے تربیت یافتہ شاگردوں کی ایک جماعت پورے دکن میں اردو زبان و ادب کی خدمت انجام دے رہی ہے۔ ان میں سے بیشتر صاحب قلم اور صاحب فہم ہیں۔ ایسے ہی باصلاحیت اور ہونہار شاگردوں میں ڈاکٹر جلال عرفان مرحوم، ڈاکٹر حبیب احمد، ڈاکٹر وصی اللہ بختیاری، ڈاکٹر سعید الدین، ڈاکٹر کلیم اللہ، ڈاکٹر امان اللہ، ڈاکٹر نکولن، ڈاکٹر عزیز الرحمٰن قریشی، ڈاکٹر اعجاز حسین، ڈاکٹر ذاکرہ غوث، ڈاکٹر بشیرہ سلطانہ، ڈاکٹر ذاکرہ ام شہلا

اورڈاکٹرزیب النساءخاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

میرے ادبی سفر کے دوران میں نے اب تک جن کتابوں پر مقدمے لکھے اور تاثرات کا اظہار کیا ہے انھیں یکجا کر کے عنقریب 'متاع قلم' کے نام سے شائع کر رہا ہوں۔ میں نے ۱۹۹۴ءUGC Minor Project کے تحت دکنی مثنوی 'یوسف زلیخا' کے قلمی نسخے کا جائزہ لے کر اسے از سر نو معنی و مطالب کے ساتھ تدوین کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ۲۰۱۵ء UGC Major Project کے تحت صوبہ تمل ناڈو کے تعلیمی اداروں اور اردو تنظیموں کی علمی و ادبی خدمات پر کام آغاز ہو چکا ہے۔ امید ہے کہ یہ پروجکٹ انشاءاللہ ۲۰۱۷ءتک پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

۲۰۱۰ء میں مدراس یونی ورسٹی کے وائس چانسلر نے میری بے لوث تدریسی و تحقیقی خدمات کے اعتراف میں مجھے Best Teacher Award کے لئے منتخب کیا اور یہ ایوارڈ عزت ماب وزیر تعلیم حکومت تمل ناڈو نے اپنے دست خاص سے مجھے عطا کیا۔ مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ میں نے اپنی ذاتی کوششوں سے مدراس یونی ورسٹی کے مراسلاتی ذریعہ تعلیم کے تحت بی اے اور ایم اے اردو کے پروگرام شروع کئے اور یہ سلسلہ تقریباً ۱۵ سال سے جاری و ساری ہے۔ علاوہ ازیں ۳ سال قبل پرائیویٹ اسٹڈی کے طور پر مدراس یونی ورسٹی میں بی لٹ اردو پروگرام کی بنیاد بھی رکھی ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا منفرد کورس ہے جو تین سالوں پر محیط ہے مگر اس میں انگریزی پڑھنے کی شرط نہیں ہے۔ اس کورس کے فارغین کو ایم اے اردو میں داخلے کا اہل سمجھا جاتا ہے۔ مجھے یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ میں حکومت تمل ناڈو کی نصاب ساز کمیٹی کا چیر پرسن ہوں میری سرپرستی میں پہلی جماعت سے لے کر بارھویں جماعت تک کی اردو کتابیں نیز اردو میڈیم کی سائنس اور سوشیل سائنس کی کتابیں دیدہ زیب جلد بندی کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ میں نے اپنی منصبی مصروفیات کے باوجود اپنے قلم کے دھار کو کبھی سست ہونے نہیں دیا۔ تخلیق، تنقید و تحقیق کے میدان میں اپنے وجود کو منواتا رہا۔ میرے اب تک پچاس سے زیادہ تحقیقی و تنقیدی مضامین ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے مقتدر رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

بہر حال یہ میری تعلیمی کارگزاریوں اور ادبی سفر کا ایک مختصر خاکہ ہے جو آپ کے سامنے میں نے پیش کیا ہے۔ اسے میری علمی اور ادبی کوششوں کا حرف آخر نہیں بلکہ آغاز سمجھیں کیونکہ مجھے اپنے ادبی سفر کی آخری منزل تک پہنچنے میں ابھی بہت سارے معرکے سر کرنے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا روم کے کلام میں اخلاقیات

ڈاکٹر قاضی حبیب احمد
پروفیسر،شعبہ عربی، فارسی واردو
مدراس یونیورسٹی، چنئی

علمی اوراخلاقی تصنیفات کے دوطریقے ہیں۔ایک یہ کہ مستقل حیثیت سے مسائل بیان کئے جائیں۔دوسرے یہ کہ کوئی قصہ اور افسانہ لکھا جائے اور علمی مسائل موقع بہ موقع اس کے ضمن میں آتے جائیں۔یہ طریقہ اس لحاظ سے اختیار کیا جاتا ہے کہ جولوگ روکھے پھیکے علمی مضامین پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کرسکتے وہ قصہ اور لطائف کی چاٹ سے اس طرف متوجہ ہوجائیں۔

مولانا روم کی آفاقی اقدار،فکری بصیرت اور غیر معمولی قوتِ مشاہدہ نے ان کی تعلیمات کو ہر زمانہ کے لئے اہم اور بامعنی ثابت کردیا ہے۔اسی بناپر وہ ماضی، حال اور مستقبل کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ان کے سوزِ دروں نے ہر دور میں نہ معلوم کتنے افسردگان خام کو سوختہ ساماں بنادیا:

دودِ آہِ سینۂ سوزانِ من — سوخت این افسردگانِ خام را

وہ عشق ومستی کے میرِ کارواں بھی ہیں اور سوز وگداز کے سالارِ قافلہ بھی۔اسی وجہ سے ان کے پیغام کی اثر انگیزی اور آفاقیت زمان ومکان کی حدود سے نکل چکی ہے۔

ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنے عہد میں مادہ پرستی، کج روی، مصلحت کوشی اور بے عملی کے پراز مصالح حجابات کے تاروپود بکھیرے اور معاشرہ کو ان خرابیوں سے پاک کیا۔وہ حقانیت وصداقت کے پیغامبر ہیں۔جنہوں نے افراد کی ذہنی و روحانی پرورش کی، ایک صحت مند وصالح معاشرہ کی تشکیل کی اور فکر وعمل کے باہمی رشتوں کو استوار اور مضبوط کیا۔

مثنوی شریف کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس میں حقائق ومعارف اور اسرار و رُموز کو اخلاقی قصوں اور لطیفوں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے جس کی بنا پر اس کی جذب وسرمستی اور اثر انگیزی نے عوام وخواص کے دلوں میں جگہ بنالی۔

مولانا نے مثنوی شریف میں مضامین کی کسی قسم کی ترتیب وتبویب نہیں فرمائی بلکہ چھ دفاتر (جن کی صحیح تعداد قونیہ میں موجود قدیم ترین نسخہ کے مطابق 26, 632 ہے) میں اپنے مخصوص پیرایۂ بیان میں سب کچھ بیان فرمادیا۔حقائق ومعارف اور اسرار الٰہی کے بیان کے ضمن میں ان کا شعر زبان زد ہے:

خوشتر آن باشد کہ سرِّ دلبران گفتہ آید در حدیثِ دیگران

یعنی دلبروں اور معشوقوں کے رازہائے سربستہ کو دوسروں کی زبان سے بیان کیا جانا بہتر ہوا کرتا ہے۔

بہر حال مولاناؒ کی مثنوی کا مقام و مرتبہ بالکل منفرد ہے۔ اس کے بیشتر اشعار اپنی دلپذیری، برجستگی، صفائی بیان، طریقۂ استدلال، طرزِ افہام میں اپنی مثال آپ ہیں۔ مثنوی شریف کی بعض حکایتوں اور روایتوں کی سند پر بہت سے اربابِ تحقیق متفق نہیں ہیں، مگر یہ چیز ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بعض احادیث و روایتوں کی سند اور غیر واقعیت، مقصد کے ثبوت کے سلسلہ میں ضرر رساں نہیں ہوتی۔ مولاناؒ نے ان حکایات اور قصوں سے جو نتائج اخذ کئے اور جو موثر تعلیمات پیش کیں ان کی نظیر نہیں ملتی۔

مولانا نے ان حکایتوں کے ذریعہ اخلاقی مسائل کی تعلیم اور کردار سازی کے لئے ضروری و اہم نکات کی تفہیم کے طریقہ کو اوجِ کمال پر پہنچا دیا اور ان کے ضمن میں نفس انسانی کے عیوب، پوشیدہ اسرار ایسے لطیف پیرایۂ بیان میں پیش کئے کہ عام قاری یہ کہنے پر مجبور ہو گیا: ع

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اس مقالے میں میں نے مثنوی شریف کے اخلاقی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ کردار سازی، آدمیت کو انسانیت سے ہمکنار کرنے اور آج کے لئے ایک صحت مند معاشرہ کی تشکیل و تعمیر کے واسطہ مولاناؒ نے کیا زریں اصول پیش فرمائے ہیں اور بیش قیمت نصیحتیں کی ہیں۔

اخلاق کی اہمیت ہر مذہب کے پیغامبروں نے ثابت کی ہے۔ قرآن مجید میں اور پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے یہاں بھی تمام زور اخلاق کی پاکیزگی اور کردار سازی پر دیا گیا ہے کیونکہ یہ سب باتوں کی اصل ہے۔

انسان کے اخلاق کو جو چیزیں پاکیزہ بناتی ہیں ان کو دو خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ کچھ خصائل کو اپنانا اور ان کو اپنی شخصیت کا جزو بنا لینا اور کچھ عادتوں کو چھوڑنا اور ان سے مکمل اجتناب مثلاً صبر و رضا، جود و سخا، توکل و احسان، تحمل و بردباری، راست گوئی و راست بازی، عفو و درگزر، ایثار عدل و انصاف، دل داری و غم گساری اور رحم دلی جیسی صفات کو اپنی ذات کا حصہ بنانا اور حرص و طمع، عُجب و خود بینی، کذب و افتراء، دل آزاری، حسد، بخل، کینہ، غیبت، طعن و تشنیع، بدخواہی، خود غرضی، بدگمانی وغیرہ جیسی بُری عادتوں سے پرہیز لازمی ہے۔

مولاناؒ نے ان تمام اخلاقی موضوعات کو مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔ کبھی وہ ان تعلیمات کو قرآن و حدیث کے ذریعہ بیان کرتے ہیں، کبھی قصص انبیاء و حکایات اولیاء اور مختلف تمثیلات سے نتیجہ اخذ فرماتے ہیں۔ کچھ حکایات تو بنیادی طور پر تہذیب اخلاق سے ہی متعلق ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو کلامِ الٰہی کا اصل موضوع بھی تہذیبِ اخلاق ہے۔ مثنوی معنوی حکمت و عرفان کے رموز و نکات کا ایک لامتناہی سمندر ہے جس میں سے طالب غوطہ لگا کر اپنی استعداد کے مطابق موتی برآمد کرتا ہے۔ اسی بنا پر وہ ابتدا سے اربابِ تصوف اور عارفین کے لئے صحیفہ کاملہ رہی۔ اس کے اشعار صاحبان صدق وصفا

کی محفلوں کو گرماتے رہے اور وہ ان سے اکتساب فیض کرتے اور اپنے روحانی سفر میں ارتقائی منازل طے کرتے رہے۔

صبر ایسی صفت ہے جو انسان کو بڑی سے بڑی مصیبت برداشت کرنے کی طاقت عطا کرتی ہے۔ انسانی زندگی میں کتنے ہی ایسے حادثات رونما ہوتے ہیں جن کی وجہ سے رنج، اذیت، تکلیف اور مصیبت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ ذہنی سکون غارت ہو جاتا ہے۔ پراگندگی جگہ کر لیتی ہے۔ ایسے وقت میں صبر اس کو سنبھالتا ہے اور وہ یہ جان لیتا ہے کہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے اور اُسے ہر حال میں راضی برضا رہنا چاہئے۔

مولاناؒ نے مثنوی شریف میں جا بجا صبر وضبط پیدا کرنے پر زور دیا اور اس کو کیمیا جیسی اہم اور ضروری چیز قرار دیا ہے۔

صد ہزاران کیمیا حق آفرید کیمیائی ہمچو صبر آدم ندید

اللہ تعالیٰ نے لاکھوں اقسام کی کیمیا پیدا کیں لیکن صبر جیسی کیمیا کسی آدمی نے نہ دیکھی۔

رزق آید پیش ہر کہ صبر جُست رنج و کوششہا زبی صبری تست

جس نے صبر اختیار کیا اس کی روزی اس کے سامنے آ گئی۔ (بیجا) محنت و کوششیں یہ سب تمہاری بے صبری کی وجہ سے ہیں۔

گفت لقمانؑ صبر نیکو ہمدمیست کو پناہ و دافع ہر جا غمیست

یعنی حضرت لقمانؑ نے فرمایا کہ صبر انسان کا اچھا ساتھی ہے کیوں کہ وہ ہر جگہ غم کی پناہ اور اس کو دور کرنے والا ہے۔

رضا بالقضا بھی صبر کی ایک صورت ہے یعنی جو حالات اور امور انسان پر ایسے وارد ہوں جن کے دفعیہ کا علاج نہ ہو جو اس کے قبضہ واقتدار سے باہر ہوں ان پر رضامندی و تسلیم ہی اس کے لئے فتح و کامرانی ہے۔ فرماتے ہیں:

چون قضائے حق رضای بندہ شد حکمِ او را بندۂ خواہندہ شد

یعنی بندہ جب احکامِ الٰہی پر مکمل طور پر راضی ہو گیا تو اس کا حکم بندہ کی خواہش کا درجہ حاصل کر لیتا ہے:

اے کہ عقلت بر عطارد دق کُند عقل و عاقل را قضا احمق کُند

یعنی اے وہ جس کی عقل عطارد پر نکتہ چینی کرتی ہے۔ قضا عقل و عقلمند کو احمق بنا دیتی ہے۔

ہست صد چندین فسونہائے قضا گفت اذا جاء القضا ضاق الفضا

قضا کے سیکڑوں حیلے ہیں کہا گیا ہے کہ جب قضا آتی ہے تو فضا تنگ ہو جاتی ہے۔

اسی طرح قناعت ایک ایسی صفت ہے جو آدمی کو آدمیت کے دائرہ میں رکھتی ہے اور بے جا خواہشات کی تکمیل اور اس کے لئے حق تلفی، خود غرضی، حرص و طمع، حسد، کینہ و بغض اور ایک دوسرے سے مسابقت وغیرہ کے جذبوں کو پروان چڑھنے دیتی ہے۔

مولاناؒ نے بڑے لطیف پیرایہ بیان میں قناعت کی اہمیت ثابت کی ہے۔ وہ سیپ کی مثال دیتے ہیں کہ لالچی و حریص لوگوں کو اپنی بے انتہا خواہشات کی تکمیل کا شوق سکون سے نہیں بیٹھنے دیتا، اسی لئے وہ قلبی سکون و طمانیت کی بے بہا دولت سے محروم رہتے ہیں اور کامیاب نہیں ہو پاتے۔ جس طرح سیپ اگر قناعت پسند نہ ہو تو اس کا اندرون آبدار موتی سے

مالامال نہیں ہوسکتا۔

کوزۂ چشم حریصان پُر نشد تا صدف قانع نشد پُر دُر نشد

یعنی لالچی لوگوں کی آنکھ کا پیالہ کبھی نہیں بھرتا۔ سیپ جب تک قناعت والی نہیں ہوتی اس میں موتی نہیں بھرتے، یعنی اگر وہ پانی کے قطرے اپنے اندر بھرتی رہے اور منہ نہ بند کرے تو ہر قطرہ بیکار چلا جائے گا۔

قناعت ایک ایسا خزانہ ہے جو ہر ایک کے ہاتھ نہیں آتا اور جب ایک بار آ گیا تو پھر وہ شخص بادشاہ بن جاتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل ایمان کا جزو ہے **ومن یتوکل علی الله فهو حسبه**۔ یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔ مولاناؒ نے متعدد حکایتوں کے ذریعہ اس مسئلہ کو دلپذیر انداز میں سمجھایا ہے کہ توکل کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ انسان کوشش ہی نہ کرے بلکہ کوشش کرے اور پھر اللہ پر اعتماد و بھروسہ کرے، تاکہ بہتر نتیجہ حاصل ہو سکے۔

گفت پیغمبرؐ بآوازِ بلند با توکل زانوئے اشتر ببند

یعنی حضور ﷺ نے ببانگ دہل (علی الاعلان) فرمایا کہ اونٹ کے رسی باندھو اور پھر اس کی حفاظت اللہ کے بھروسہ پر کرو یعنی حفاظت کے طریقے بھی اختیار کرو۔

کمانے والا اللہ کا پسندیدہ ہوتا ہے۔ اس نکتہ کو سنو اور توکل کی وجہ سے سبب کے معاملہ میں سستی نہ کرو۔

کسب کردن گنج رامانع کے ست پامکش ازکار آن خود در پے ست

تا نگردی تو گرفتارِ اگر کہ اگر این کردمی یا آن دگر

یعنی انسان کے لئے کما کر کھانا کب منع ہے؟ کام سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤ وہ تمہارے پیچھے ہے۔

اگر مگر میں قطعی نہ پھنسو کہ اگر میں یہ کرتا یا وہ کرتا، کیوں کہ اگر مگر سے سوائے بعد میں افسوس کے کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے۔

احسان، تحمل و بردباری بھی انسانیت کی اعلیٰ اقدار میں اہم قدریں ہیں۔ جن کے ذریعہ عالمی سطح پر بھی آج کے بہت سے مسائل کا حل ممکن ہے۔ اگر دوسروں کی غلطیوں ولغزشوں اور اپنے اوپر ہوئی زیادتیوں پر تحمل و برداشت کا رویہ اختیار کریں تو بہت سی مشکلات کا دفعیہ ہوسکتا ہے۔ مولاناؒ نے جابجا مختلف اشعار میں دلنشیں انداز سے اس کی تعلیم دی ہے۔

چیست احسان را مکافات اے پسر لطف و احسان و ثواب معتبر

یعنی اے بیٹے! تم جانتے ہو احسان کا بدلہ کیا ہے؟ اس کا بدلہ مہربانی، احسان اور معقول ثواب ہے۔

احسان وکرم میں مومن وکافر کی تخصیص نہیں، جس طرح رحمتِ الٰہی ہر خاص وعام کو پہنچتی ہے۔

از کمالِ رحمت وموجِ کرم می دہد ہر شورہ را باران ونم

یعنی وہ رحمت کے کمال اور اپنے کرم کی موج سے ہر شورزمین کو بارش اور نمی پہنچاتا ہے۔

اے سلیمانؑ درمیانِ زاغ و باز حِلم حق شو با ہمہ مُرغان بساز

یعنی اے سلیمان! کوّے و باز یعنی اچھے و برے انسانوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کا حلم بن جاؤ اور تمام پرندوں یعنی انسانوں سے نباہ کرو۔

اسی طرح مولاناؒ نے تواضع وانکساری اور فروتنی و عاجزی کی صفات اپنے اندر پیدا کرنے پر زور دیا ہے کیونکہ تواضع وفروتنی اہل کمال کی نشانیاں ہیں اور تکبر واستکبار ناقصین کی واضح علامتیں۔

فروتنی ست ذلیل رسیدگانِ کمال کہ چون سوار بہ منزل رسد پیادہ شود

یعنی عاجزی وفروتنی کمال پر پہنچے لوگوں کی علامت ہے کہ جب سوار اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو گھوڑے یعنی سواری سے اتر پڑتا ہے۔

جود وسخا اور انفاق بھی انسان کے لازمی صفات ہیں۔ کیوں کہ سخاوت وفیاضی انسانی شخصیت کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ یعنی اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دینا اور ان کی تکمیل کرنا لازمی ہے۔ جود و سخا اور انفاق فی سبیل اللہ انبیاء علیہم السلام اور خدا رسیدہ اشخاص کی شخصیت کے خصوصی جوہر رہے ہیں۔ جن کی وجہ سے بہت سی دوسری صفات خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں۔

مولانا نے ان صفات کو مختلف حکایات کے ذریعہ بیان فرمایا ہے:

صد نشان باشد درون ایثار را صد علامت ہست نیکو کار را

(یعنی انسان کی طبیعت میں اگر سخاوت وایثار کا مادہ ہوتا ہے تو اس کے سیکڑوں آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔)

مال در ایثار اگر گردد تلف در درون صدزندگی آید خلف

(اگر ایثار کرنے میں اس کا سارا مال ختم ہو جائے (تو کوئی بات نہیں) اس کے بدلہ میں اس کے باطن میں سیکڑوں زندگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔)

خدمت خلق ایسی اہم صفت ہے جس کو اپنا کر انسان احسن تقویم کے زمرہ میں جگہ پاتا ہے۔ یہ جذبہ انسان میں اور بہت سی دوسری صفات پیدا کرتا ہے جن میں حق گزاری، حق شناسی، رقت قلب، احساس، رحمدلی، دلداری و دل آسائی، عدل وانصاف، نفاق سے دوری وغیرہ سرفہرست ہیں۔ انبیاء علیہم السلام وصوفیائے کرامؒ نے اس صفت کو بہت اہمیت دی ہے کہ مخلوق کی خدمت، دراصل خالق کی خدمت ہے۔

مولاناؒ اپنے مخصوص لہجہ میں فرماتے ہیں:

رنجِ یک جُزوے زتن رنج ہمہ ست گردم صُلح ست یا خود ملحمہ است

(یعنی جسم کے ایک جزو (عضو) کی تکلیف سب کی تکلیف ہے خواہ وہ صلح کا وقت ہو یا جنگ کا):

خدمتِ خلق کے سلسلہ میں مولاناؒ نے اس کافرو منکرِ خدا کی حکایت شرح وبسط سے بیان فرمائی ہے۔ جو آنحضور

ﷺ کے مکارمِ اخلاق کی ایک عمدہ مثال ہے:

کافران مہمانِ پیغمبرؐ شُدند وقتِ شام ایشان بہ مسجد آمدند

(یعنی کافر، پیغمبرؐ خدا کے مہمان ہوئے۔ شام کے وقت وہ مسجد نبویؐ میں آ گئے۔)

حضورؐ نے خاطر وتواضع میں کسر نہ چھوڑی۔ رات کو ایک کافر نے حضورؐ کے بستر مبارک پر سو کر اس کو غلاظت ونجاست سے ناپاک کر دیا۔ حضور انورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اس کی ساری نجاست کو دھویا اور صاف فرمایا اور چہرۂ پاک پر شکن تک نہ آئی:

دوسری جانب مولانا روم نے اخلاق ذمیمہ کو اپنی شخصیت سے دور رکھنے کے لئے جا بجا مختلف انداز سے متعدد تمثیلی حکایات درج کی ہیں۔ مثلاً عجب وخود بینی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک بری عادت ہے اور اس کے مرتکب کو سوائے حسرت وندامت اور تکلیف ومصیبت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ خود بینی اور غرور میں انسان کو صرف دوسروں کی آنکھوں کا تنکا نظر آتا ہے، مگر وہ اپنی آنکھوں کے شہتیر سے یکسر غافل رہتا ہے۔

مولانا نے اول، چہارم اور پنجم دفاتر میں تکبر اور خود بینی کے نقصانات کو جا بجا بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ باہمی اختلافات کا سب سے بڑا سبب بھی یہی تکبر ہے۔ ع

خود مبین تا بر نیارد از تو گرد

(یعنی خود پسند مت بنو تا کہ برباد نہ ہو)

کردار سازی کے لئے جن اخلاق ذمیمہ کو چھوڑنا لازمی ہے ان میں حرص وطمع بھی ہے۔ جو قناعت، توکل، صبر، سخاوت اور بذل وایثار کی ضد ہے۔ مولاناؒ نے ایک کامیاب معلم اخلاق کی حیثیت سے انسان کو حرص وطمع سے بچنے کی مؤثر طریقوں سے جا بجا تلقین فرمائی ہے:

صاف خواہی چشمِ عقل و سمع را　بر دران تو پردہ ہائے طمع را

(یعنی اگر تو عقل کے آنکھ کان صاف رکھنا چاہتا ہے تو لالچ کے پردوں کو چاک کر دے۔)

مولانا روم نے اپنے منظوم کلام میں مختلف النوع اخلاقی محاسن کے بیان کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ رشد وہدایت وہ عظیم فریضہ ہے جس کے لئے اللہ پاک نے فقط آسمانی کتب کا اہتمام نہیں کیا بلکہ کتاب کے ساتھ صاحبان کتاب بھی آئے اور اپنے عملی نمونوں کے ذریعہ بنی نوع انسان کی ہدایت کا کام انجام دیا اور ان کی پیروی میں عارفین نے ان ارشادات یعنی احادیث نبوی اور الٰہی فرمودات یعنی قرآنی تعلیمات کو ہر زمانہ میں بہتر اور مؤثر انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ مولانا روم کی مثنوی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے پس ''ہست قرآن در زبان پہلوی'' سے یہ بات ہرگز مقصود نہیں ہے کہ یہ مثنوی قرآن کی ہم پلہ یا عین قرآن ہے بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ مولانا نے اس مثنوی میں قرآنی تعلیمات اور نبوی ارشادات کو ایسے دلکش پیرائے میں پیش کیا ہے کہ بنی نوع انسان کی خاطر خواہ ہدایت یقینی ہے۔ بشرطیکہ اس کا قلب عشق الٰہی سے سرشار اور حق کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو۔

اردو کا حکائی ادب- تمثیل نگاری کے حوالے سے

ڈاکٹر امان اللہ. ایم. بی.
اسسٹنٹ پروفیسر،
شعبہ عربی، فارسی واردو، مدراس یونی ورسٹی

تمثیل نگاری جسے انگریزی میں Allegory کہتے ہیں جس کے معنی بولنا یعنی جس میں ایک بات کہہ کر دوسری بات مراد لی جائے۔ ڈاکٹر گیان چند جین کے مطابق 'تمثیل کے کردار دراصل کسی دوسرے کردار کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ ان سے وہ مراد نہیں ہے جو ظاہراً نظر آتا ہے بلکہ ان کے نیچے موج تہ نشین کی طرح کچھ اور معنی چھپے رہتے ہیں' تمثیل نگاری علامات اور اشارات کے ذریعہ ظاہر مفہوم کے علاوہ ایک مزید اور گہرے معنی کی طرف بالارادہ ترسیل کا نام ہے۔ تمثیل نگاری کو اپنے مختلف تلازموں کے ساتھ ایک وسیع استعارہ کہا جاسکتا ہے۔ تمثیل دیومالائی اور اخلاقی کہانیوں سے بھی زیادہ وسیع اور پیچیدہ ہوتی ہے۔ جہاں مشابہت معقول ہو، وہاں تمثیل تخلیق ہوتی ہے۔ تمثیل خواہ وہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی اس کا خصوصی اطلاق ادب پر ہوتا ہے۔

تمثیل کی ہیئت حکایتی، بیانیہ قصہ یا افسانے کی طرف مائل ہوتی ہے۔ تمثیل کا طرز حکایتی نہ ہوگا تو اس کی دلچسپی برقرار نہیں رہ سکے گی۔ یہاں تک کہ بیانیہ تمثیلیں بھی افسانوی رنگ لئے ہوتی ہیں۔ تمثیل کی تعریف کرنے والے زیادہ تر ادیبوں نے اس کے حکایتی طرز پر زور دیا ہے۔ اس کے حکایتی فارم پر زور اس لیے دیا جاتا ہے کہ اس طرح کے بیان میں ایک مرکزی خیال مختلف واقعات اشخاص ان کا تصادم اور کشمکش، استعاروں کی طوالت اور سلسلہ وار مشابہت اور مماثلت کی مختلف کڑیاں، کرداروں اور واقعات کے مرکزی خیال کی مطابقت، دونوں سطحوں کے نشیب وفراز کرداروں کی اجتماعی نوعیت اور اسی طرح کی تمثیل کی دوسری شرائط کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے بیشتر تمثیلی تخلیقات داستانوں اور کہانیوں کی شکل میں ہیں۔

تمثیل میں ایک مرکزی خیال کا ہونا ضروری ہے جس کی متابعت میں قصے یا بیان کے سارے کردار بڑھتے اور پھیلتے ہیں۔ یہ خیال فلسفیانہ یا اخلاقی بھی ہوسکتا ہے یا سیاسی وادبی بھی۔ زیادہ تر تمثیلیں اخلاقی نقطہ نظر کی حامل ہیں۔ تمثیل نگاری کا مقصد دراصل ان خیالات، جذبات اور تصورات کی ترسیل ہے جو راست اور سیدھے طریقے سے ذہن نشین نہیں

کیے جاسکتے اور اگر ہو بھی جائیں تو ان کا وہ اثر ذہن و قلب پر نہیں ہوتا جو تمثیل سے ممکن ہے پھر تمثیل کا دلچسپ بیانیہ اور حکایتی انداز اس کی دل نشینی کو بھی بڑھا دیتا ہے اور وہ چیزیں جو عام حالات میں حلق سے نیچے نہ اترتیں، تمثیل کے رنگین اور دلکش غلافوں میں لپیٹ کر دل و دماغ کے تاریک گوشوں کو بھی روشن کر دیتے ہیں۔ مذہبی معاملات اور تصوف کے دقیق مسائل کو جاذب توجہ دل کش اور آسان بنانے کے لئے تمثیل سے بڑھ کر کوئی بہتر ذریعہ اظہار شاید ہی میسر ہو۔ داخلی کشمکش اور پیچیدہ جذبات و کیفیات کے اظہار کے لئے بھی تمثیل و استعارہ کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر گیان چند کا بیان ملاحظہ ہو؛

''بیشتر تمثیلی تحریریں مجرد تصورات و اوصاف کی تجسیم کرتی ہیں۔ چونکہ ذہن انسانی کو مجرد تصورات بالخصوص اخلاقی تصورات کو گرفت کرنا مرغوب نہیں اس لیے انھیں مجسم کر کے افسانوی رنگ میں پیش کیا گیا تا کہ قارئین دل چسپی سے پڑھ سکیں۔'' [تحریریں ص ۲۷۷]

اس طرح تمثیل نگاری گونا گوں مقاصد کے پیش نظر ادیبوں کے اسلحہ خانے میں ہمیشہ سجی رہی اور اس سے افہام و اصلاح کے کام لیے جاتے رہے۔ کہیں مذہبیات کی تفہیم کا کام لیا گیا کہیں سیاسی حریفوں پر طنز و تنقید کا مقصد پیش نظر رہا، کہیں ہم عصر شاعروں اور ادیبوں کو تختۂ مشق بنایا گیا کہیں سائنسی ترقیات کا ادراک پیدا کرنے کے لئے اس کو استعمال کیا گیا کہیں معاشی کیفیات کو بیان کرنے کے لیے اس کو پردہ بنایا گیا۔

تمثیل میں وحدت تاثر اور وحدت اظہار بھی ہوتا ہے۔ بیان میں ہمواری، موقع محل کی مناسبت، اتار چڑھاؤ اور لب و لہجہ میں یکسانیت کے علاوہ ایسی فضا ہو جو پورے قصے پر ابر بن کر چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ موضوع اور مواد کے اعتبار سے تمثیل نگاری کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اخلاقی تمثیل نگاری، ۲۔ علمی تمثیل نگاری، ۳۔ سیاسی یا سماجی تمثیل نگاری اور ۴۔ طنزیہ تمثیل نگاری۔ اردو کی دو بڑی تمثیلیں 'سب رس' اور 'گلزار سرور' اور ان کے بنیاد پر لکھی ہوئی نظم و نثر کی تمام تخلیقات یعنی قصہ حسن و دل کے مختلف نسخے اور حیرت کی 'جنگ عشق' اور 'نیرنگِ خیال' کے تمام مضامین اخلاقی تمثیل نگاری کی ضمن میں آجاتے ہیں۔

قرآن مجید میں بہت سے واقعات، حکایات اور کردار تمثیلی حیثیت رکھتے ہیں، تاریخی نوعیت کے قصّے بھی ہیں اور تمثیلی قصے بھی۔ زمانے کے ساتھ ساتھ انھیں اس طرح پر پیش کیا جانے لگا جیسے یہ اساطیری ہوں۔ مختلف کتابوں میں ان

کی صورتیں اس حد تک بگاڑ دی گئیں کہ بنیادی باتیں گم ہوگئیں اور خرافات اور توہمات کا ذخیرہ جمع ہوگیا۔ قرآنِ پاک کی حکایتوں کی تشریح کرتے ہوئے اسرائیلی ذہن نے تورات اور اپنی دوسری مذہبی کتابوں کی باتیں اس طرح شامل کیں جیسے وہ باتیں ان ہی حکایتوں میں شامل تھیں۔ ہم جانتے ہیں تورات میں کائنات اور انسان کے تعلق سے جو باتیں ہیں وہ اساطیر سے بہت ہی قریب ہیں۔ واقعہ معراج کا ہو یا مختلف پیغمبروں کی حکایتیں ہوں اسرائیلی ذہن نے ان کی صورتیں بگاڑ دی ہیں۔

قرآن پاک میں پیغمبروں کے معجزوں کے ذکر اور ان کی حکایتوں کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں لیکن اساطیری رنگ کے بدنما دھبّوں کے ساتھ یہ کہانیاں اس وقت اور زیادہ تکلیف پہنچاتی ہیں جب مذہبی زندگی کے واقعات و کردار کو مسخ کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ مثلاً خدا آدم اور حوّا کا نکاح پڑھاتے ہیں اور انھیں ایک خاص وقت ایک دوسرے کے قریب آنے سے روکتے ہیں۔ (جب تک کہ مہر ادا نہ ہوجائے)، حضرت یوسفؑ اور زلیخا کی شادی۔ حضرت یوسفؑ سے شادی تک زلیخا اپنے شوہر سے دور رہتی ہے؟ حضرت سلیمانؑ اور ملکہ بلقیس کی من گھڑت کہانیاں، کچھ اس طرح پیش ہوتے ہیں جیسے کوئی اساطیری کہانی سن رہے ہوں۔

ڈاکٹر گیان چند جین نے دنیا کی تمام کہانیوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ وہ ساری کہانیاں جو جانوروں سے متعلق ہیں ان کو وہ 'حکایات' کہتے ہیں اور رومانوی قصوں کو داستان۔ فیبل، پیرابیل وغیرہ اسی نوعیت کے جانوروں کی کہانیاں ہیں۔ جانور کسی کی نمائندگی نہیں کرتے اور بطور حیوان استعمال ہوتے ہیں۔ ان کہانیوں میں انسان بھی آتے ہیں لیکن ان کا ذکر ایسے محل اور مقام پر کیا جاتا ہے جو قدرتاً پیش آتے ہیں اور عام طور سے ایک بلند اخلاقی سطح پر ہوتا ہے۔ فیبل البتہ خیالی یا وہمی واقعات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک ایک چوہے کا ایک شیر کی مدد کرنا اس میں غیر معمولی امداد باہمی کا سبق دیا جاتا ہے۔ فیبل کا تعلق ضرب الامثال سے بھی ہوتا ہے جو حقیقتاً فرضی قصوں کے خلاصے اور بہت سے زبان زد عام محاورے ہوتے ہیں۔ جیسے 'انگور کھٹے ہیں'، 'ایک کتا ناند میں'، 'شیر آیا شیر آیا' وغیرہ۔ ان تمام کہانیوں میں اخلاقی تلقین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جانوروں کی حکایات بھی دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ جن میں جانور محض حیوان کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ مثلاً ایسپ (Aesop's) کی کہانی میں ایک کتا منہ میں آدھی روٹی لئے دریا کے کنارے جا رہا تھا اس نے پانی میں اپنا عکس دیکھ کر سوچا کہ پانی والے کتے کی آدھی روٹی بھی مل جائے تو پوری ایک روٹی ہوجائے گی۔ اس غرض سے

وہ اپنے عکس کی طرف منہ بڑھا کے بھونکا اور آدھی روٹی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ دوسری وہ حکایات جس میں حیوانات انسانوں کی فہم وفراست سے متصف کر دیے جاتے ہیں۔ مثلاً مذہب عشق (نثری گلِ بکاولی) میں مرغ زیرک اور صیاد کی حکایت میں طوطا ایک ذی ہوش حکیم کی سی باتیں کرتا ہے۔ کلیلہ ودمنہ میں حیوانات کے پردے میں گویا انسانوں کو مدبر کی تعلیم دی گئی ہے۔ یہاں جانوروں کا طرز اظہار انسانی جذبات سے مماثلت رکھتا ہے۔ فیبل میں اخلاقی درس ہی قصے کی جان ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے ان کے آبا واجداد جانوروں کی بھی جون میں دوبارہ تشریف فرما ہوتے ہیں اور آنجہانی گرو حیوانات کے لباس میں انسانوں کی رہنمائی کو آتے ہیں۔ اس طرح ان انسانوں میں غیب داں پرندوں اور انسانوں سے زیادہ عقل مند لومڑیوں وغیرہ کی تخلیق کی گئی اور انسانوں کو جانور درس اخلاق ہی نہیں درسِ سیاسیات بھی دیتے نظر آتے ہیں۔ اس کا مقصد انسان کو یہ احساس ہو کہ وہ انسان ہو کر بھی اعلیٰ اخلاق اور ذہانت کا ثبوت نہیں دے سکا جب کہ جانور، جانور ہوتے ہوئے بھی نہ صرف اعلیٰ اخلاق بلکہ ہمدری، مدد اور صحیح رہنمائی وغیرہ کا ثبوت دیتے ہیں اور بہترین داشمندی کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔ اسی قبیل کی ایک مثال ڈاکٹر گیان چند کے اس بیان سے ہوتا ہے ملاحظہ ہو؛

''ہندوستانی حکایات کی ایک یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ ان میں جانور آدمیوں کے سے کام کرتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال کلیلہ ودمنہ ہے۔ شیر، بیل اور گیدڑ کی کہانی، یا زاغ و بوم کی لڑائی میں کون سی بات ہے جس سے ان کے کرداروں کا جانور پن ظاہر ہو۔ باقاعدہ دربار لگتا ہے۔ قاضی کے یہاں دارالقضاۃ ہے، زنداں ہے، مقدمے ہوتے ہیں، مجلسِ شوریٰ منعقد کی جاتی ہے۔ ذراسی ترمیم کے ساتھ:

خوشتر آں باشد کہ سِرّ مرداں

گفتہ آید در حدیثِ جانوراں

[اردو کی نثری داستانیں ص ۲۸۶]

'سب رس' میں انسانی زندگی کو 'جسم' کی شکل دی گئی ہے۔ یعنی بدن ایک اسٹیج ہے جہاں مختلف ومتضاد میلانات و جذبات برسرِ پیکار نظر آتے ہیں۔ انسان واقعی مختلف اور متضاد جبلتوں کا گہوارہ ہے۔ عقل، جذبات، نفسیات، شعور ولاشعور اور مختلف ومتضاد خواہشات ایک دوسرے سے ٹکراتی رہتی ہیں۔ عقل کہتی ہے یہ نہ کر اس میں جی کا زیاں ہے۔ عشق کہتا ہے یہی کر اس لئے کہ یہی منزل حیات ہے۔ عقل محو تماشائے لب بام ہونا سکھاتی ہے۔ عشق آتش نمرود میں کود پڑنا ہی عین

مقصدِ زیست سمجھتا ہے۔ زندگی کی راہ میں کئی سنگِ گراں ہیں۔ سماج، خواہشات، نفس، حاسد، دشمن، مخالف نظریوں کے لوگ اپنا اپنا عمل کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اگر یہ نہ ہوں تو زندگی کے ہنگامے بے جان اور شہرِ خموشاں نظر آئیں گے۔ جینا مرنے پر منحصر ہے۔ زندگی کا لطف غم کے زخموں سے دوچند ہوتا ہے۔ اس ساری کشمکشِ انسانی کو 'سب رس' میں چلتا پھرتا دکھایا گیا ہے۔ اس کی فضا اور واقعاتِ انسانی زندگی کی داستان کے ٹکڑے ہیں جو بڑی چابک دستی سے ایک دوسرے میں پیوست کردیئے گئے ہیں۔ ہر علامت اپنے اندر ایک دنیائے معنی چھپائے ہوئے ہے۔ ان علامتوں سے ہم فن کار کے نہاں خانۂ دل کی سیر کرتے ہیں۔ وجہی کی علامتیں نفسیاتی اور متصوفانہ ہیں۔ ان کے ذریعے نفسیاتِ انسانی کی مختلف گرہوں کو کھولا گیا ہے اور سلوک وطریقت کے مرحلوں کی تصویر سازی کی گئی ہے۔ ایک طرح سے یہ بھی روحانیت اور مادیت کی کشمکش کی عکاسی ہے اور خواہشِ دنیا اور خواہش عقلی کی انسانی کشمش کی بہترین نمائندگی ہے۔ 'سب رس' کے مطالعے کے کئی پہلو غور طلب ہیں۔ پند وموعظت اور درس ونصیحت کے علاوہ اس میں مختلف النوع موضوعات پر وجہی کے خیالات کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ ان موضوعات میں مذہبی، غیر مذہبی، سماجی، علمی، تہذیبی اور ادبی سبھی اقسام شامل ہیں۔ عشق و عاشقی سے لے کر شراب وشاہد، سلوک ومعرفت، معجزات وکرامات، دین وشریعت، عورت اور مرد کے تعلقات، بادشاہ اور رعیت کے روابط پر اس کے ارشادات موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں۔

'سب رس' کے بعد اردو کی ایک اہم تمثیلی کتاب 'سرورؔ کی 'گلزار سرور' ہے۔ جو دراصل ملا محمد رضی ابن محمد شفیع کی فارسی تصنیف 'حدائق العشاق' کا ترجمہ ہے۔ 'حدائق العشاق' میں جنگ کے بعد کے واقعات پر تصوف کی چھاپ گہری ہے اور داستانی سطح پر کھرونچیں پڑجاتی ہیں۔ دلؔ کے حسنؔ سے وصال کے بعد پھر ایک نیا رخ مڑتا ہے اور داستان وتمثیل کی سطحیں متوازی ہوجاتی ہیں۔ روح کی سرزنش، قلعہ بدن کی مسماری اور روح کا دوبارہ دیارِ روحانیاں کے تخت پر متمکن ہوجانا ایسے واقعات ہیں جن سے قصے کے پہلے کرداروں کا تعلق ٹوٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ روحؔ نے عشقؔ سے شکست کھائی تھی۔ روحؔ کو قلعہ بدن میں عشق نے قید کیا مگر بعد کے سارے واقعات میں عشقؔ اور اس کے ساتھی بالکل ہی نظر انداز ہوگئے ہیں۔ خود شہرِ حقیقت کی حسنؔ اور عشقؔ کی بیٹی حسنؔ میں بھی فرق محسوس ہوتا ہے۔ 'گلزار سرور' کا ذکر اردو ادب کی تاریخوں میں اسلوب نگارش کی وجہ سے ہے اس سے کہیں زیادہ اس کی تمثیلی حیثیت نمایاں ہے۔ ڈاکٹر نیر مسعود نے سرورؔ کی 'گلزار سرور' کو اردو تمثیل نگاری میں ایک اضافہ قرار دیا ہے۔

'سب رس' اور 'گلزار سرور' کے علاوہ بھی اردو میں تمثیلی نمونے ملتے ہیں۔ تمثیل نگاری کے سلسلے میں چند غلط فہمیاں بھی ہیں بہت سی کتابوں میں قصوں یا تخلیقات کو بعض تمثیلی مشابہتوں کی بنیاد پر تمثیل مان لیا جاتا ہے۔ ان حکایات یا قصص کو جن میں جانوروں نے گفتگو کی ہو یا جانوروں کے ذریعہ کسی اخلاقی مقصد کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہو وہ تمثیل نہیں ہوتی بلکہ صرف وہ قصے ہی تمثیل ہو سکتے ہیں جن میں دو متوازی سطحیں ہوں اور جن میں ایک کردار نے دوسرے کردار کی نمائندگی کی ہو۔ 'کلیلہ و دمنہ' دنیا کی مشہور داستانوں میں سے ہے۔ یہ سنسکرت سے پہلوی زبان میں اور پہلوی سے عربی میں منتقل ہوئی۔ عربی سے 'انوارِ سہیلی' کے نام سے فارسی میں ترجمہ ہوا اور اردو میں پہلی مرتبہ شیخ حفیظ الدین نے 'خرد افروز' کے نام سے ترجمہ کیا۔ 'کلیلہ و دمنہ' میں جانوروں اور انسانوں کی کہانیاں مخلوط ہیں۔ اس کا وہ حصہ جو شیر بادشاہ کے روپ میں اور دو لومڑیاں کلیلہ و دمنہ دو وزیروں کی شکل میں پیش کی گئی ہیں۔ بادشاہ اور وزراے دربار کی نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان میں سے دمنہ کا کردار مکات اور دغا باز کی صورت میں اور کلیلہ کا راست گو اور نیک سرشت کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ 'شیر' کے دربار میں بھی جس میں بیل اور شتر وغیرہ امرائے دربار کی صورت میں دست بستہ کھڑے ہیں اور دائیں بائیں کلیلہ و دمنہ مؤدب ایستادہ ہیں، تمثیل کا رنگ جھلکتا ہے۔ بقول ڈاکٹر گیان چند جین: ''کلیلہ و دمنہ کے پہلے دو بابوں کا قصہ اور چوتھے باب میں زاغ و بوم کی لڑائی صاف صاف تمثیلی رنگ میں ہیں۔'' [تحریریں ڈاکٹر گیان چند جین، ص ۲۸۲]۔

'منطق الطیر' شیخ عطار نیشا پوری کی فارسی مثنوی ہے۔ اس میں تصوف کے مسائل کو پرندوں کی زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ تمام پرندے ہد ہد کی رہنمائی میں سیمرغ بادشاہ کی تلاش میں نکلتے ہیں اور وادی طلب، وادی عشق، وادی معرفت، وادی استغنا، وادی توحید، وادی حیرت اور وادی فنا کو طے کرتے ہوئے آخر میں سیمرغ کی ذات میں اپنی ہستی کو فنا کر دیتے ہیں۔ اس میں سیمرغ سے خدا کی ذات، ہد ہد سے پیر طریقت اور سارے پرندوں سے سالکان طریقت مراد ہیں جو خدا کا عرفان حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کی ذات میں فنا ہو جاتے ہیں۔ منطق الطیر کا اردو میں 'پنچھی باچھا' کے نام سے ترجمہ ہوا ہے۔ میر کی مثنوی 'اژدر نامہ' ایک طنزیہ تمثیل ہے۔ اس مثنوی میں ہم عصر شعراء کو مینڈک، چوہا، چھپکلی، لومڑی وغیرہ ٹھہرایا ہے اور خود کو ایک اژدر خونخوار قرار دیا ہے۔

نظیر کی شاعری میں ساتویں رنگ کی پہچان ایک حکایات میں ہوتی ہے۔ 'قصہ ہنس'، 'کوے اور ہرن کی دوستی'،

قصہ لیلیٰ مجنوں' وغیرہ اس رنگ کی عمدہ نظمیں ہیں۔نظیراکبرآبادی جشنِ زندگی کے شاعر ہیں سات رنگوں کی وحدت کا یہ شاعراُردوادب میں اپنا ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔یہ سات سُر ہیں جو مختلف آہنگ رکھتے ہیں اور قاری کے جمالیاتی شعور کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔'نظیر کے کلام پر تصوّف کا رنگ بھی چڑھا ہوا ہے۔اُن کا تخلیقی ذہن بھی 'سائیکی' کی گہرائیوں میں اتر کر خدا کے 'آرچ ٹائپ' کو تلاش کرتا ہے۔یہ احساس بہت پختہ ہے کہ انسان کے باطن میں جہاں خدا دل کی دھڑکن بنا ہوا ہے وہاں تمام جلال و جمال سمٹ آئے ہیں۔تصوّف کی جمالیات کے اثر سے شاعر کے جمالیاتی وژن میں بڑی کشادگی پیدا ہوئی ہے،اس کی بصیرت متاثر کرتی ہے۔اس سلسلے میں شاعر کی نظم 'آئینہ' سامنے کھئے جو اردو کی خوبصورت نظموں میں سے ایک نظم ہے۔ایسے تجربوں کا ایک انتہائی دلکش دیباچہ یا پیش لفظ ہے۔اپنی 'سائیکی' کے اندر ہی سب کچھ دیکھنے کا رجحان متاثر کرتا ہے۔کہتے ہیں:

مشک تتار و مشک ختن بھی تجھی میں ہے
یاقوت سرخ و لعل ویمن بھی تجھی میں ہے
نسریں و موتیا وسمن بھی تجھی میں ہے
القصہ کیا کہوں میں چمن بھی تجھی میں ہے
ہر لحظہ اپنی چشم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

جدید دور کے افسانوی ادب میں خواجہ احمد عباس کی کہانی 'ایک لڑکی سات دیوانے' جس میں ہندوستان کی تمثیل ایک دلچسپ پچیس سالہ دوشیزہ کے روپ میں اور سات مختلف ذہنیتوں کے طبقوں کو سات شادی کے خواہش مند امیدواروں کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔آزادی کی پچیسویں سال گرہ کے پس منظر پر مشتمل یہ تمثیل نہایت ہی دلچسپ ہے۔

''اردو کی آخری کتاب'' محمد حسین آزاد کی ''اردو کی پہلی کتاب'' کی دلچسپ پیروڈی ہے۔ابن انشاء نے اپنی اس پیروڈی میں حکایات لقمان، حکایات سعدی اور حکایات انوار سہیلی کی طرز پر کچھ حکایات بھی بیان کی ہیں۔ان حکایات میں ایسے لوگوں کو اشاروں کنایوں میں سبق آموز درس دینے کی کوشش بھی تمثیلی انداز میں کی ہے۔مثلاً متحدہ محاذ کے بارے میں فرماتے ہیں،''ہر محاذ میں عموماً ایک شیر باقی گدھے ہوتے ہیں تقسیم شکار کی ہو یا ٹکٹوں کی اس میں شیر کا حصہ خاص ہوتا ہے۔

اس پر کوئی اعتراض کرتا ہے تو گدھا ہے۔

ابن انشاء نے مختلف جانوروں اور پرندوں کا ذکر تمثیلی انداز میں کر کے انسانوں کی خامیوں کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے جانور بن جانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ کتے کا ذکر پر مشتمل انشاء کا اقتباس ملاحظہ ہو

''ایک کتا لیلیٰ کا بھی تھا لوگ لیلیٰ تک پہنچنے کے لئے اسے پیار کرتے تھے اس کی خوشامد کرتے تھے جس طرح صاحب سیکرٹری یا چپڑاسی کی کرنی پڑتی ہے۔''

''اردو کی آخری کتاب'' کا انداز کہیں تمثیلی اور کہیں رمزیہ ہے اُن کا ہر حربہ اور تجربہ حد درجہ کامیاب ہے۔ جس میں ہماری قومی کوتاہیوں کا ذکر بھی ہے اور انفرادی خودغرضیوں کا تذکرہ بھی وقتی فائدے کے لیے ناجائز ذرائع پر ایمان کی داستان کا بیان بھی ہے اور اس دور کے حکمرانوں کی نااہلیاں اور حماقتیں بھی شامل ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ ایسے لطیف اور شگفتہ انداز میں ہے کہ قاری دیر تک اس سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔

اردو تمثیلیں ایک خاص مزاج اور رجحان کی ترجمان ہیں۔ یہ داستانیں مذہبی تفوق، عشق الٰہی، حسن و محبت اور دل کی گداختگی سے عبارت ہیں۔ تمثیل نگاری کا مطالعہ ہمیں اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ تمثیل اپنی ارتقائی شکل میں اظہار کی ایک اعلیٰ درجے کی منفرد اور مخصوص صنعت ہے۔ تمثیل ہیئت سے زیادہ ایک صنعت ہے۔ اس کی ایک منفرد ہیئت بھی ہے لیکن ہیئت تمثیلی صنعت کے فن کارانہ استعمال ہی سے معرض وجود میں آتی ہے۔ تمثیل کے لئے کسی موضوع کی قید نہیں۔ سیاسی، سماجی، علمی، تہذیبی، اخلاقی، طنزیہ موضوعات پر بھی تمثیل ہوسکتی ہے مگر اس کا مقصد اخلاق، تصوف، مذہب، سیاست ہے۔ تمثیل نظم و نثر دونوں میں استعمال ہوتی ہے۔ ناول، افسانہ، مضمون، ڈرامہ کسی بھی صنف ادب میں اس کا استعمال ہوسکتا ہے۔ تمثیل سے مذہبی معاملات اور اصلاح کا جتنا کام لیا گیا کسی اور چیز کا کم ہی لیا گیا۔ عہد وسطیٰ میں تمثیل مذہب و اخلاق کے سلسلے میں ایک طاقت ور وسیلہ اظہار بنی رہی اور زیادہ تر تمثیلیں اخلاق و مذہب ہی سے متعلق ہیں۔ آج علامت نگاری نے تمثیل نگاری سے زیادہ ترقی یافتہ اور موزوں ترین وسیلہ اظہار کی صورت اختیار کر لی ہے لیکن حکایتوں کے ایک اہم جز کی وجہ سے حکائی ادب میں تمثیل نگاری کی بحث لازمی ہے چونکہ ابھی حکائی ادب کی حدود و قیود کا تعین پوری طور پر نہیں ہو پایا ہے تو اس ضمن میں تمثیل کی خصوصی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

☆☆☆☆

مختصر سوانح حیات
معین الہند حضرت خواجہ غریب نوازؒ

محمد شفاعت احمد سلیم مرحوم
ایم اے، بی ایڈ (نیلور) آندھرا پردیش
سیل نمبر 09885395740

الٰہی تا بود خورشیدِ ماہی چراغِ چشتیہ را روشنائی

ولادتِ با سعادت : خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری قدس اللہ سرہٗ العزیز کی ولادت مبارکہ ۱۴ رجب المرجب ۵۳۰ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۱۳۶ء بمقام سنجر جو ملک اصفہان کے شہر خراساں کے قریب واقع ہوئی۔ تاریخ اور مقام کے سلسلہ میں کافی کچھ اختلافات مورخین میں ہیں۔

اسمِ گرامی : آپ کا اسم گرامی معین الدین حسن بن خواجہ غیاث الدین حسن ہے۔ آپ کے والدین آپ کو پیار سے حسن کہہ کر پکارتے تھے۔

خطابات : جو خطابات دربارِ الٰہی اور آستانۂ رسالت مآب ﷺ سے عطا ہوئے وہ حبیب اللہ، غوث المشائخ، قطب العارفین، ہندالولی، عطائے رسول، نائب نبی، غریب نواز، سلطان الہند، خواجۂ اجمیر وغیرہ وغیرہ خطابات سے پکارا جاتا ہے۔

آپ کے خاص خاص القاب تاج المقربین والمحققین، سید العابدین، تاج العاشقین، برہان العاشقین، آفتابِ جہاں پناہ بے کساں، دلیل العارفین، مخزنِ معرفت، قدوۃ الاولیاء، قطبِ دوراں، معین الملت، وارث النبیاء والمرسلین، امام شریعت وطریقت، اربابِ دین، پیشوائے اربابِ یقین، صاحب اسرار، برہان الاصفیاء، عالمِ علمِ ظاہری و باطنی، واقفِ رموزِ صوری ومعنوی، معین الحق، محبّ الاولیائے زماں، رہنمائے کاملاں۔

نسب نامہ پدری : حضرت خواجہ معین الدین، ابن حضرت حسن چشتی حسینی، ابن خواجہ احمد حسین، ابن حضرت خواجہ نجم الدین، ابن حضرت خواجہ عبدالعزیز، ابن حضرت خواجہ ابراہیم، ابن حضرت خواجہ ادریس، ابن حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم، ابن حضرت سیدنا امام جعفر صادق، ابن حضرت سیدنا امام باقر، ابن حضرت سیدنا امام زین العابدین، ابن حضرت سید السادات امام حسین علیہ السلام، ابن حضرت امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

نسب نامہ مادری: بی بی ام الورع الموسوم، بی بی مہ نور، بی بی خاص الملکہ بنت سیدنا عبدل جبلی، بن حضرت سید موسیٰ، بن حضرت سید عبداللہ محض، بن حضرت سیدنا حسن مثنیٰ، بن حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام، بن حضرت امیرالمومنین اسداللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری کو سرورِ دین و دنیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خاندان مبارک میں نمایاں حیثیت حاصل ہے، آپ بشائستۂ روحِ رسول ﷺ ہیں نازشِ اولادِ بتول ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہ کی جان ہیں، حضرات امام حسنین رضی اللہ عنہ کے دل کا ارمان ہیں حضرت غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی آنکھوں کے تارے، گلشنِ اسلام کے پھول، نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ کے والد محترم حضرت خواجہ غیاث الدین سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اور والدہ محترمہ بی بی اُم الدوع المعرف بی بی مہ نور حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

ولادت سے پہلے اور بچپن کے کرامات: حضرت خواجہ غریب نواز کی ولادتِ مبارک ایک ہندوستان کے لئے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے باعثِ رحمت ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ معین الدین میرے شکم میں تھے، میں بہترین خواب دیکھتی تھی، گھر میں ہر طرف خیر و برکت تھی، دشمن بھی دوست ہو گئے، جس وقت خدا تعالیٰ نے آپ کے جسم مبارک میں روح ڈالی تو آپ کی والدہ محترمہ محسوس کرتی تھیں کہ نصف شب سے سوا پہر دن چڑھے تک اُن کے شکم مبارک سے تسبیح و تہلیل کی آواز رہتی تھیں۔ یہ آواز سن کر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، پیدائش کے وقت آپ کی والدہ کا بیان ہے کہ سارا گھر انوارِ الٰہی سے روشن ہو گیا تھا، آپ کے دودھ پینے کے زمانے میں جب کوئی عورت مع اپنے شیر خوار بچہ کے آپ کے یہاں آتی اور اس عورت کا بچہ دودھ کے لئے روتا تو آپ اپنی والدہ محترمہ کو اشارہ کرتے جس کا مطلب ہوتا کہ وہ اپنا دودھ اس بچے کو پلا دیں۔ جب وہ بچہ دودھ پیتا تو آپ بہت خوش ہوتے یہاں تک کہ ہنسنے لگتے۔

ابتدائی تعلیم: حضرت خواجہ غریب نواز کی پرورش اور ابتدائی تعلیم والدین کے زیر سایہ خراساں میں گھر پر ہوئی، آپ کے والد بزرگوار اس وقت کے ایک مایہ ناز عالمِ دین تھے۔ حضرت خواجہ غریب نواز ۹ رسال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا پھر آپ نے سنجر کے ایک مکتب میں داخل ہو کر تفسیر، حدیث شریف اور فقہ کی تعلیم پائی، بہت کم عرصہ میں آپ نے کثیر علم حاصل کر لیا، اسی شہر کی مناسبت سے آپ سنجری مشہور ہوئے۔

یتیمی اور ورثہ پدری: جب حضرت خواجہ غریب نواز کی عمر پندرہ سال کی تھی والد بزرگوار نے وصال

فرمایا،اس کے کچھ عرصہ بعد والدہ ماجدہ بھی اس سرائے فانی سے کوچ کر گئیں۔حضرت غریب نواز کے دو حقیقی بھائی تھے،والدین کی رحلت کے بعد بھائیوں نے ترکہ پدری تقسیم کرلیا،آپ کے حصے میں ایک باغ اور بن چکی آئی جو پانی سے چلتی تھی،باغ اور بن چکی کی آمدنی سے گزر اوقات فرماتے اور عبادت الٰہی وخدمت فقراء ومساکین میں مصروف رہتے۔

مجذوب وقت حضرت ابراہیم قندوزی سے ملاقات : حضرت خواجہ غریب نواز کی عمر کا پندرھواں سال چل رہا تھا اُس وقت آپ زیادہ فقیروں صوفیوں درویشوں اور اولیاء کی صحبت میں مصروف رہتے ،ایک دن آپ حسب معمول اپنے باغ کو پانی دے رہے تھے اچانک بغیر کسی اطلاع کے اشارہ غیبی حضرت ابراہیم قندوزی (جو اس دور کے بہت بڑے مجذوب تھے) تشریف لائے۔حضرت خواجہ غریب نواز نے نہایت خندہ پیشانی سے آپ کا استقبال کیا۔حضرت ابراہیم قندوزی کو ایک سایہ دار درخت کے پاس بٹھایا،آپ کے ساتھ نہایت اخلاق وعزت اور عجز وانکساری سے پیش آئے اور خاطر تواضع کی اور تازہ انگور کا ایک خوشہ سامنے لا کر رکھ دیا اور دوزانو بیٹھ گئے۔حضرت مجذوب نے انگور تناول فرمائے اور خواجہ غریب نواز کی لوح پیشانی پڑھ لی اور بخوبی سمجھ گئے کہ یہ لڑکا جو آج اس باغ کو پانی دے رہا ہے کل یہی لڑکا دنیا کے باغ کو پانی دے گا۔ایک ہندوستان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے لوگوں کی روحانی پیاس بجھائے گا،جو اس کے ہاتھ سے جام پیئے گا وہ عشق الٰہی میں مست وسرشار ہو جائے گا۔حضرت ابراہیم قندوزی اپنی بغل میں لٹکی ہوئی تھیلی میں سے کھل یا روٹی کا ایک ٹکڑا نکال کر اپنے منہ میں ڈالا دندانِ مبارک سے چبا کر حضرت خواجہ غریب نواز کے منہ میں ڈال دیا،آپ نے اسے کھالیا،کھاتے ہی تمام حجابات اُٹھتے دکھائی دینے لگے۔سینہ انوار الٰہی سے چمکنے لگا۔دنیا کی محبت سے دل خالی ہو گیا ،مجذوب صاحب چلے گئے حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے باغ اور بن چکی کو فروخت کر ڈالا اور سارا پیسہ غرباء فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیا اور خود تلاشِ حق اختیار فرمایا۔

تحصیل علم شریعت : تحصیل علم کی خاطر غریب نواز نے اُس دور کے عظیم الشان علمی درسگاہوں کا رخ لیا،سمرخند اور بخارہ میں آپ نے علم ظاہری حاصل فرمایا۔مولانا حسام الدین بخاری اور مولانا شرف الدین صاحب سرع الاسلام جیسی جلیل القدر ہستیوں کو آپ کے اساتذہ بننے کا شرف حاصل ہے۔سمرخند و بخارہ سے آپ عراق تشریف لے گئے ،عراق سے عرب اور وہاں سے ہارون پہنچے،بعد از اں بغداد میں رونق افروز ہوئے۔

پیرانِ پیر حضرت غوث الاعظم دستگیرؓ سے ملاقات : خواجہ غریب نواز ۵۵۰ ہجری مطابق ۱۱۵۵ء میں پیرانِ پیر حضرت غوثِ پاک سے پہلی بار بغداد میں ملاقات فرمائی،حضرت غوث سرکار حضرت غریب نواز دادھیال کی طرف سے ماموں اور ناھیال کی طرف سے خالہ زاد بھائی ہیں۔پیرانِ پیر نے خواجہ غریب نواز کو دیکھ کر

فرمایا یہ مردِ مقتدائے روزگار ہے۔ بہت سے لوگ اس سے منزلِ مقصود کو پہنچے گے۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات: مرشدِ اولیاء خواجہ صوفیاء امام اتقیاء حضرت خواجہ عثمان ہارونی سلسلہ چشتیہ کے اکابر متقدمین میں سے ہیں، ہندوستان کے روحانی شہنشاہ حضرت خواجہ غریب نواز کے پیرومرشد ہیں، آپ کی ولادت با سعادت نیشا پور قصبہ ہارون میں ہوئی، آپ خاندان سعادت کے چشم و چراغ ہیں، آپ کا سلسلہ نسب گیارہ واسطوں سے مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ سے جا ملتا ہے۔ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت رجحانِ عبادات اور ریاضات کی طرف تھا، عہد کمسنی میں آپ کا معمول تھا کہ ایک قرآن مجید دن اور رات میں ختم فرمایا کرتے تھے۔ خواجہ نیر الدین حاجی شریف زندانی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے خلت و خلافت حاصل کرنے کے بعد بلاد اسلامی اور سیر و سیاحت شروع کردی، اپنی زندگی کے ستر سال سخت ریاضت میں بسر فرمائی، آپ ان میں اکثر روزہ سے رہتے تھے۔ پانچ پانچ روز تک افطار نہ فرماتے تھے۔ مجاہدات کے ستر سالہ زمانے میں نہ پیٹ بھر کھایا نہ پانی پیا۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی ولایت میں اتنے بلند مرتبہ میں فائز تھے کہ آپ کی دعائیں کبھی رد نہ ہوتی، سفر و حضر میں آپ سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوتا تھا، آخر عمر میں آپ مکہ مکرمہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اسی مبارک و مقدس شہر میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں آپ کی آرامگاہِ مقدس ہے۔

بیعت و خلافت: حضرت خواجہ غریب نواز بغداد سے حرمین شریف تشریف لے گئے وہاں سے آپ بحکم الہام باطنی قصبہ ہارون علامہ نیشا پور پہنچ کر قطب وقت حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کے دست پر بیعت کی۔ ڈھائی سال تک مرشد کی خدمت اقدس میں مصروف مجاہدہ رہے آخر کار مرشد کی خدمت رنگ لائی صاحب اجازت ہوئے اور خرقہ خلافت سے مستفید ہوئے۔

مرشد کے ہمراہ سفر: خواجہ غریب نواز اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے ساتھ کافی مدت سیر و سیاحت میں گزاری۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے بیعت کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز کا ہاتھ پکڑ کر قبلہ رو ہو کر فرمایا "اے معین الدین میں نے تجھ کو اللہ تک پہنچا دیا اور مقبول بارگاہ خداوندی کر دیا" پھر ڈھائی سال بعد خلافت سے سرفراز فرما دیا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اسکے آغوش ناز میں آپ کو کیا ملا کہ بیس سال چھ ماہ کی مدت اپنے پیرومرشد کی خدمت میں بسر کردی۔ خواجہ غریب نواز اپنے پیرومرشد کے ہمراہ متعدد مقامات کا سفر کیا اور کئی مرتبہ حج فرمایا۔ خواجہ غریب نواز اپنے پیرومرشد کے سایہ کی طرح رہتے۔ دوران سفر مرشد کا بستر، خواب توشہ اور دوسری اشیاء سر پر لادے ہوئے ہمراہ چلتے اس سفر و سیاحت کے دوران فالوجہ، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بخارا، اوش، بدخشاں سیوستان، دمشق، سنجار ہوتے ہوئے بغداد

پہنچے، پھر خانہ کعبہ کا سفر اختیار فرمایا فالوجہ میں آپ نے اپنے پیرو مرشد کے ساتھ جامع مسجد میں اعتکاف فرمایا پھر مکہ معظمہ ،مدینہ منورہ، بخارا، اوش پہنچے۔ جب بیت اللہ شریف حاضر ہوئے اور طواف سے فارغ ہوئے تو پیرو مرشد نے خواجہ بزرگ کا ہاتھ پکڑ کر دعا کی ''اے خداوندتو میرے معین الدین کے لئے جو کچھ طلب کروگے دیا جائے گا یہ حکم پاکر عرض کیا، اے خداوندتو میرے معین الدین کو قبول فرما، ارشاد باری ہوا ہم نے قبول کیا، اے خداوند تو میرے معین الدین کو مجھ سے زیادہ شہرت عطا فرما، ارشادِ باری ہوا قبول کیا، پھر عرض کیا میرے معین الدین میں اپنے جلوے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پیدا فرما، ارشاد باری تعالیٰ کی بعد ازاں مدینہ منورہ آئے اور حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دی۔ پیرو مرشد نے خواجہ غریب نواز سے فرمایا ''سلام کر'' آپ نے ادب سے سلام عرض کیا آواز آئی ''وعلیکم السلام یا المشائخ بر و بحر۔ یہ آواز سن کر خواجہ عثمان ہارونی نے خواجہ غریب نواز سے فرمایا ''اب تو درجۂ کمال کو پہنچ گیا''۔

اس کے بعد دونوں حضرات بخارا کے صدر مشائخ سے ملاقات کی پھر دوران سفر حضرت شیخ بہاوالدین اوشیؒ سے ملے بعد میں بدخشاں اور اس کے بعد اوش میں رونق افروز ہوئے۔ اوش میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی بسم اللہ خوانی میں حضرت غریب نواز شامل ہوئے، بسم اللہ خوانی حضرت حمید الدین ناگوری نے کی اُس وقت حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی عمر چار سال، چار ماہ، چار دن تھی پھر سیوستان پہنچ کر ایک بزرگ صدر الدین محمد سے ملاقات کی وہاں سے دمشق تشریف لے گئے۔ آپ دو حضرات کے ہمراہ اُس وقت شیخ احمد الدین کرمانی بھی تھے دمشق کی مسجد کے سامنے بارہ ہزار انبیاء علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کی، پھر سنجار پہنچے وہاں شیخ نجم الدین کسریٰ سے ملاقات کی اور ڈھائی مہینے ان کے پاس قیام فرمایا پھر قصبہ جبل تشریف لائے اور حضرت پیرانِ پیر غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی سے ملاقات کی حضرت غوث پاک کی صحبت میں رہ کر بے شمار فیوض حاصل کیا۔ حضرت خواجہ غریب نواز اور حضرت غوث پاک کی یہ دوسری ملاقات تھی۔ حضرت خواجہ غریب نواز کی خاطر غوث سرکار نے سماع کی محفل منعقد فرمائی۔

مرشد سے خرقہ خلافت اور جانشین بن کر رخصت ہونا: جب روحانیت کے استادِ کامل حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے اپنے مرید خاص حضرت خواجہ غریب نواز کو حقیقت و معرفت کا ایک ایک ورق پڑھا دیا اور فرمایا محبوب خدا اور مجھے معین الدین کی مریدی پر ناز ہے، یہ کہتے ہوئے حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے تبرکات مصطفیٰ ﷺ جو خواجگانِ چشت میں سلسلہ بہ سلسلہ چلے آرہے تھے خواجہ غریب نواز کو عطا فرمائی اور انہیں تبرکات کے شرف سے نواز کر سجادہ نشین بنایا۔ اور عصائے مبارک، خرقہ، نعلین مبارک، مصلےٰ عنایت فرمایا، اور فرمایا یہ تبرکات ہمارے پیران طریقت قدس سرہٗ کی یادگاریں ہیں جو رسولِ خدا ﷺ سے ہم تک پہنچے ہیں، ان کو اسی طرح اپنے پاس رکھنا جس طرح ہم

نے رکھا تھا۔ یہ ارشاد فرما کر پیرو مرشد نے اپنے کنار مبارک میں لے لیا سر و چشم کو بوسہ دیا اور فرمایا تجھ کو خدا کے سپرد کیا۔ پھر عالم تحیر میں مشغول ہو گئے۔

خواجہ غریب نواز نے اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے نہایت اخلاق وادب سے قدم بوسی ہو کر بہ چشم گراں ودل بریاں رخصت ہوئے اور پھر سفر شروع کیا اس وقت آپ کی عمر شریف باون سال کی تھی۔

حضرت خواجہ غریب نواز جہاں بھی سفر پر جاتے آبادی سے باہر کسی قبرستان سے قریب قیام فرماتے۔ اس سیاحت میں بڑے بڑے اولیائے کاملین اور مشائخین عصر سے فیوض و برکات حاصل فرماتے رہے اور طالبان حق اور سالکان راہ طریق کو مستفیض فرماتے رہے، چنانچہ پہلا مقام سنجان میں ہوا وہاں حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے ساتھ پندرہ روز قیام فرمایا، وہاں سے بغداد شریف پہنچ کر حضرت شیخ ضیاء الدین اور شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاقات فرمائی اور نعمتیں حاصل کرتے ہوئے ہمدان چلے گئے جہاں حضرت خواجہ وحید الدین کرمانی اور حضرت خواجہ یوسف ہمدان سے ملاقات فرمائی۔ وہاں سے تبریز پہنچ کر وقت کی کامل ہستی حضرت شیخ ابوسعید تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی وہاں سے اصفہان پہنچ کر حضرت خواجہ محمود اصفہانی کی خدمت میں کچھ دن رہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی شیخ محمود اصفہانی سے بہت اعتقاد رکھتے تھے اور ان سے بیعت کرنا چاہتے تھے جب ان کی نگاہ حضرت خواجہ غریب نواز پر پڑھی تو دل وجان سے گرویدہ ہو کر مریدوں کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔ اُس وقت خواجہ غریب نواز دوتائی اوڑھے ہوئے تھے وہ آپ نے حضرت قطب الدین کو دے دی، مراحل عرفان طئے کرنے کے لئے قطب صاحب بعدازاں حضرت خواجہ غریب نواز کے ہمراہ رہنے لگے اور سفر کرنے لگے۔ پھر وہاں سے خرقان تشریف لے گئے، حضرت ابوالحسن قرقانی کی مزار مقدس پر دو برس قیام فرمایا وہاں سے آپ ستر آباد تشریف لے گئے وہاں حضرت خواجہ ناصر الدین سے جو بایزید بسطامی کی اولاد سے تھے اور جن کی عمر شریف ۱۷۰ برس تھی ان سے ملاقات کر کے فیوض و برکات حاصل کیں۔ ستر آباد سے آپ ہرات اور ہرات سے بلخ تشریف لے گئے وہاں حضرت خواجہ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ بلخ میں مولانا امام الدین جو مدرس تھے اکثر فقراء اور صوفیاء کا مذاق اڑاتے تھے، اتفاقاً حضرت خواجہ غریب نواز سے ملاقات ہوئی اور تمام کتابیں دریا میں ڈال کر علائق دنیوی سے پاک ہو کر مع اپنے شاگردوں کے مرید ہو گئے۔ حضرت غریب نواز نے انہیں خلافت عطا فرمائی اور وہیں قیام کا حکم فرما کر غزنی کی طرف چل دئے (اس سے پہلے حضرت خواجہ غریب نواز نے ہمدان میں وحید الدین کرمانی کو بھی خلافت عطا فرمائی تھی) غزنی میں حضرت عبدالواحد کی خانقاہ میں قیام فرمایا دوران قیام ایک دن آپ کو بحکم الہام باطن حرمین شریفین کی زیارت کا اشارہ ہوا۔

حرمین شریفین : حضرت خواجہ غریب نواز مع حضرت قطب الدین مکہ معظّمہ پہنچے اور کعبہ کی زیارت سے مشرف ہوئے ،آپ ہر روز طواف کعبہ اور عبادت میں مشغول رہتے تھے ،ایک دن آپ حرم کعبہ میں یادالہٰی میں مستغرق تھے کہ غیب سے ایک آواز سنی ،آپ نے آواز پردھیان دیا ’’اے معین الدین ہم تجھ سے خوش ہیں تجھے بخش دیا جو کچھ چاہے مانگ تا کہ عطا کریں‘‘ حضرت خواجہ غریب نواز یہ آواز سن کر بہت خوش ہوئے ۔مکہ معظّمہ میں شکر گزار بندوں کی طرح سر زمین پر رکھ دیا اور بارگاہ یزدی میں بصد عجز عرض کیا خداوندا معین الدین کے مریدان سلسلہ کو بخش دے ،ندا آئی کہ اے معین الدین تو ہماری ملک ہے جو تیرے مرید اور تیرے سلسلہ میں تا قیامت مرید ہوں گے انہیں بخش دوں گا۔ کچھ دن مکہ معظّمہ میں آپ قیام رہے حج کا فریضہ انجام دیا پھر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

دربارِ رسالت میں حاضری اور ہندوستان جانے کا حکم: انتہائی ادب سے صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہوئے دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے جب حضرت غریب نواز حد مقررہ پر رک گئے تو ندا آئی اے معین الدین اندر آؤ ،آپ مستی و بے خودی کے عالم میں حاضر ہوئے تو جمال جہاں آرائے نبوی ﷺ سے مشرف ہو گئے ۔سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ’’اے معین الدین تو معین و ناصر دین ہے ولایت ہندوستان زیر نگین ہے میں نے ولایت ہندوستان تجھ کو عطا کی وہاں ظلمت پھیلی ہوئی ہے تو اجمیر جا تیرے وجود سے ظلمت اور کفر دور ہوگی اور اسلام رونق پزیر ہوگا خطاب ہندالولی سے بحکم خداوندی تجھ کو سرفراز کیا۔ ہندوستان میں ہمارا نائب مقرر کیا اور اجمیر تمہارا مسکن و مدفن مقرر کیا۔غریب نواز نے عرض کیا کہ یا جدی میں حیران ہوں کہ مقام ہندوستان کدھر ہے،اجمیر کہاں واقع ہے کیسی جگہ اور کونسا مقام ہے، مدینہ منورہ سے کتنی دور ہے۔ چنانچہ آپ کو ایک انار بہشتی عطا کیا اور ارشاد ہوا کہ اے میرے حبیب اس انار بہشتی کے دانے میں نے تمہارے لئے سرورِ دوعالماں ہے جو چاہو گے وہ پوشیدہ چیزیں عیاں ہو جائیں گی۔ بحکم جب اس انار بہشتی میں آپ نے معائنہ فرمایا تو اس میں مشاہدہ کر لیا، بعدہ دس اسمائے اعظم کے حصول دارین کے لئے اکسیر اعظم ہیں دربار رسالت ﷺ سے عطا ہوئے اور فرمانِ رخصت حاصل ہوا۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی کو بیعت و خلافت سے سرفراز فرمانا:

دربارِ رسالت ﷺ سے حکم پا کر حضرت خواجہ غریب نواز سفر ہند کی تیاری میں مصروف ہو گئے ۔آپ مدینہ منورہ سے بغداد شریف پہنچے اور چند دن قیام فرمایا ،آپ کے ہمراہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی تھے ۔حضرت خواجہ معین الدین نے چالیس روز متواتر سرور کائنات ﷺ کو ارواح مشائخین اکرام خواب میں یہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا کہ اے معین الدین قطب الدین خدا کا دوست ہے اس کو خلافت دے اور خرقہ کلیم پہنا۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے یہ بھی ارشاد فرمایا ’’ آج

رات میں حضرت ذوالجلال قادر باکمال کو خواب میں دیکھا وہاں بھی یہ حکم ہوا کہ اے معین الدین بختیار کا کی کو درویشی کا خرقہ اور خلافت عطا کر کیونکہ قطب الدین ہمارا دوست ہے اور محمد ﷺ کا بھی دوست ہے ہم نے اسے برگزیدہ بندہ بنایا ہے اور اس کا نام اپنے دوستوں میں درج کیا ہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز حضرت قطب الدین کو خواجہ ابولیثی سمرقندی کی مسجد میں بیعت و خلافت سے مشرف فرمایا اس وقت حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ داؤد کرمانی، شیخ برہان الدین محمد چشتی اصفانی موجود تھے۔

سفر ہندوستان : حضرت خواجہ غریب نواز مدینہ منورہ سے بغداد تشریف لائے چند دن بغداد میں قیام کے بعد بقصد اجمیر روانہ ہوئے دوران سفر چشتیت، فرقان، جھینہ، کرمان۔ سنرآباد ہوتے ہوئے بخارہ پہنچے، اصفہان، ہرات ہوتے ہوئے سبزہ وار تشریف لائے وہاں سے بلخ پہنچے پھر بلخ سے سمرقند تشریف لائے اس سفر میں حضرت خواجہ غریب نواز کے ہمراہ چالیس اولیائے کرام ہمسفر تھے۔ سمرقند ملتان ہوتا ہوا یہ نورانی قافلہ لاہور پہنچا۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کے مزار پر انوار پر اپنے پیرومرشد کے حکم سے رشد و ہدایت کی بساط بچھائی اور اس خطہ کو علم و عرفان کا مرکز بنا دیا، آپ نے حضرت داتا گنج بخش کے روضہ مبارک پر دو ماہ اعتکاف فرما کر روحانی فیوض سے مالا مال ہوئے، لاہور سے حضرت خواجہ غریب نواز سمانہ (سامانہ) جو پٹیالہ کے قریب ہے پہنچے۔ راجہ پرتھوی راج چوہان کی ماں نجوم و کہانت میں کمال رکھتی تھی اس نے بارہ سال بیشتر ہی اپنے بیٹے پرتھوی راج چوہان (جو اُس وقت حاکم اجمیر تھا) سے کہہ دیا کہ ایک مرد بزرگ فلاں حلیہ اس کا ہے اس ملک میں آکر تیرے اور تیری سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا۔ اس سے راجہ ہمیشہ متفکر رہتا تھا اور اس نے حکام مادر کردئے تھے کہ فلاں حلیہ کا اگر کوئی شخص سلطنت کے کسی بھی حصہ میں پایا جائے تو اسے گرفتار کر کے فوراً حاضر کیا جائے۔ اسے اس کام پر انعام ملے گا۔ چنانچہ جب آپ سماتا پہنچے تو کارکنان سلطنت نے شناخت کر کے کہا آپ کوئی بزرگ شخص معلوم ہوتے ہیں آیئے ہم آپ کو کسی معقول جگہ پر ٹھہرائیں گے۔ آپ نے مراقبہ فرمایا، مراقبہ میں رسول اکرم ﷺ نے ہدایت کردی کہ ان لوگوں کے فریب میں نہ آنا۔ تو آپ نے ان لوگوں کی پیشکش ٹھکرا دی اس طرح وہ اپنے برے ارادے میں ناکام ہوگئے، اس کے بعد آپ دہلی میں کچھ عرصہ مقیم رہے۔ کفار نے ہر چند آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اس وقت یہ شہر کفرستان تھا آپ برابر اذانیں دے کر نمازیں ادا کرتے رہے مگر آپ کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکا۔

حضرت خواجہ غریب نواز کی اجمیر شریف میں آمد : حضرت خواجہ غریب نواز اجمیر شریف میں پہلی بار کب جلوہ افروز ہوئے اس بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس وقت صرف اجمیر

شریف ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے اکثر و بیشتر علاقوں میں کفر و شرک کا دور دورہ تھا۔ اجمیر پر پرتھوی راج چوہان پائے تخت پر تھا دہلی اور دوسرے علاقے اس کے ماتحت تھے۔ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیر شریف میں بالکل نو وارد تھے۔ آپ مع اپنے ساتھیوں کے شہر سے باہر ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے، لیکن راجہ کے ملازمین وہاں سے اٹھنے کو کہا " یہاں تو راجہ کے اونٹ بیٹھتے ہیں، لہذا آپ لوگ یہاں سے اٹھ جائیں۔ لہذا آپ نے کہا ہاں یہاں تو راجہ کے اونٹ ہی بیٹھے گے اور اٹھ کر تالاب اناساگر پر بیٹھے جہاں مدہا بت خانے تھے۔ دوسرے دن اونٹوں کو اٹھانا تھا مگر اونٹ وہاں سے اُٹھ نہ سکے، جب راجہ کے ملازمین نے آکر سرکار غریب نواز سے معافی مانگی تو اونٹ اٹھ گئے۔ راجہ نے حکم دیا کہ انہیں پکڑ کر شہر سے باہر کردو۔ راجہ کے ملازم جوں ہی پہنچے تو سرکار غریب نواز نے آیۃ الکرسی پڑھ کر خاک کی چٹکی پر دم کیا اور ہوا میں اڑا دیا جس پر پڑی وہ وہیں کا وہیں بے حس و حرکت ہو کر رہ گئے۔ تیسرے دن راجہ اور اہل شہر تالاب پر پوجا کے لئے جمع ہوئے رام دیو مہت ایک جماعت کثیر کے ساتھ آپ کو بجبر اٹھانے کے لئے بڑھا، آپ نے جو نظر ڈالی اس کے جسم پر لرزہ طاری ہوا اسی وقت پاؤں پر گر کر اسلام قبول کرلیا۔ یہ پہلا مسلمان تھا جو آگے چل کر بڑے مرتبہ پر فائز ہوگیا۔

سادھو رام (سادی دیو) کا مسلمان ہونا: سادھو رام سارے پجاریوں کا سردار تھا، خواجہ غریب نواز کی بے شمار کرامتوں کا ظہور دیکھ کر آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا، سادی دیوی کا اسلامی نام سعدی رکھا گیا۔

اناساگر پیالے میں: اناساگر جس کا پانی تمام اہل شہر استعمال کرتے تھے حضرت خواجہ غریب نواز کے ہمراہیوں کے لئے بند کر دیا گیا۔ جب خواجہ غریب نواز کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اپنے مرید سعدی (سادی دیو) سے اناساگر سے ایک پیالہ پانی لانے کو کہا۔ سعدی پہرے کے باوجود تالاب تک پہنچ کر جوں ہی پیالہ میں پانی ڈالا سارا پانی سمٹ کر پیالہ میں آگیا اور سارا تالاب سوکھ گیا۔ وہ پیالہ سرکار غریب نواز کے تمام اصحاب کی ضروریات اس تھوڑے سے پانی سے پوری ہونے لگی۔ لوگوں کو سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جے پال نے آپ سے منت سماجت کی تو آپ نے حکم دیا کہ پیالہ میں کا پانی اناساگر میں واپس ڈال دو، جوں ہی پانی اناسگر میں ڈالا گیا اناساگر پانی سے لبالب ہوگیا۔

جے پال کا مسلمان ہونا: جئے پال جو ایک جوگی تھا حضور غریب نواز کی بے شمار روحانی طاقت سے متاثر ہو کر مسلمان ہوگیا اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جئے پال (عبداللہ) اب تک زندہ ہے۔ اجمیر کے بوستان میں رہتا ہے جو راہ گیر راستہ بھول جاتا ہے اس کی رہبری کرتا ہے اور شب جمعہ روضہ مبارک کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔

آبادی میں جائے قیام: اب تک سرکار غریب نواز مع اپنے ساتھیوں کے اناساگر کے کنارے ٹھہرے

ہوئے تھے سادھورام اور جے پال جن کا اسلامی نام سعدی اور عبداللہ ہے غریب نواز کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور بستی میں قیام فرمائیں تاکہ مخلوق آپ کے قدموں کی برکت سے مستفیض ہوں۔حضور غریب نواز نے ان کی درخواست قبول کی اور اپنے ایک مرید یادگار محمد کو شہر میں جگہ منتخب کرنے کا حکم فرمایا، یادگار محمد نے جگہ منتخب کی اور خواجہ غریب نواز کو مطلع کیا۔خواجہ غریب نواز جھالرہ آکر قیام فرمایا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آج کل سرکار غریب نواز کی یادگار مقدس ہے، قیام کے بعد یہ جماعت خانہ، مطبخ خانہ بنوایا گیا۔

پرتھوی راج کو دعوت اسلام : سادھورام اور جے پال کے اسلام قبول کرنے اور شہر میں قیام کرنے کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز نے راجہ پرتھوی راج چوہان کو دعوت اسلام دی، راجہ پرتھوی راج نے قبول نہ کی، خواجہ غریب نواز سے اس کے انکار کا ذکر کیا گیا تو آپ کو سخت افسوس ہوا، آپ نے مراقبہ کیا اور فرمایا کہ اگر یہ بدبخت ایمان نہ لایا تو میں اس کو اسلام کے لشکر کے حوالے زندہ گرفتار کروادونگا۔

شہاب الدین غوری : شہاب الدین غوری نے خراساں میں حضرت خواجہ غریب نواز کو خواب میں دیکھا کہ آپ اس کو تسلی دے رہے ہیں اور اس سے فرمارہے ہیں خدائے تعالیٰ نے ہندوستان کی سلطانی تجھے بخشی جلد اس طرف توجہ کر اور راجہ پرتھوی راج کو زندہ گرفتار کرکے سزا دے۔شہاب الدین غوری نے اپنا خواب علماء وفضلاء سے بیان کیا سب نے ایک زبان ہوکر خواب کی تعریف کی اور کہا کہ یہ خواب فتح وکامرانی کا مژدہ ہے۔اس کے بعد سرکار غریب نواز نے راجہ پرتھوی راج سے کہلا بھیجا تھا کہ ہم تو جاتے ہیں، چنانچہ آپ نے اجمیر سے کوچ فرمایا۔اجمیر سے روانہ ہوکر آپ اوس میں نوافروز ہوئے اوش سے غزنین کو رونق بخشی غزنین سے حضرت خواجہ غریب نواز شہاب الدین غوری کے لشکر کے ساتھ پیشاور تک تشریف لائے (آپ لشکر کے ہمراہ تھے شاید یہ بات شہاب الدین غوری کو معلوم نہ تھی) شہاب الدین غوری پیشاور سے ملتان روانہ ہوا لیکن حضرت غریب نواز ملتان کے بجائے لاہور تشریف لائے اور وہاں آپ نے سید حسین زنجانی سے ملاقات کی، آپ لاہور سے دہلی تشریف لے گئے۔شہاب الدین غوری اور راجہ پرتھوی راج چوہان کے درمیان گھماسان کی لڑائی ہوئی اس جنگ میں سلطان شہاب الدین غوری کو فتح اور راجہ پرتھوی راج چوہان کو شکست ہوئی۔شہاب الدین غوری نے پرتھوی راج کو زندہ گرفتار کرکے غزنی بھیج دیا، فتح کے بعد شہاب الدین غوری جب اجمیر میں داخل ہوا تو اس کے اجمیر پہنچنے سے پہلے سرکار غریب نواز دوسری بار اجمیر میں رونق افروز ہوچکے تھے۔شہاب الدین غوری اجمیر میں داخل ہوا تو مغرب کا وقت تھا اس نے اذان کی آواز سنی پتہ لگا کر وہاں پہنچا جماعت کھڑی ہوچکی تھی سرکار غریب نواز امامت فرمارہے تھے۔شہاب الدین غوری جماعت میں شریک ہوگیا نماز ختم ہوئی یکا یک شہاب الدین غوری کی نگاہ سرکار غریب

نواز کے چہرہ مبارک پر پڑی یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ تھی وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اس کو فتح و کامرانی کی بشارت دی تھی۔ شہاب الدین آگے بڑھا حضرت خواجہ غریب نواز کے قدموں پر گر پڑا بہت دیر تک روتا رہا جب رونے سے فارغ ہوا حضور غریب نواز کی خدمت بابرکت میں ادب سے درخواست کی کہ آپ اس کو اپنی مریدی کا شرف بخشیں۔ خواجہ غریب نواز نے از راہِ عنایت و شفقت اس کی درخواست منظور فرمائی اور اس کو مریدی کے شرف سے نوازا، اُس وقت قاضی حمید الدین ناگوری بھی موجود تھے۔

حضرت خواجہ غریب نواز کا بغداد روانہ ہونا اور پھر واپس اجمیر تشریف لانا: خواجہ غریب نواز اپنے پیر و مرشد کی جدائی برداشت نہ کر سکے۔ اس وقت حضرت خواجہ عثمان ہارونی بغداد شریف میں مقیم تھے۔ خواجہ غریب نواز اجمیر سے بغداد کی طرف روانہ ہوئے اپنے پیر و مرشد کی قدم بوسی سے مشرف ہو کر کچھ عرصہ بغداد میں قیام فرمایا پھر ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے۔ بغداد سے آپ بلخ پہنچے یہاں آپ نے احمد خضریہؒ کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ پھر بلخ سے غزنین پہنچے وہاں سے لاہور ہوتے ہوئے دہلی پہنچے اور دہلی سے اجمیر تیسری بار تشریف لائے۔

اجمیر سے خراساں تشریف لے جانا پھر اجمیر میں رونق افروز ہونا: کچھ دن اجمیر میں قیام فرمانے کے بعد خواجہ غریب نواز خراساں میں تصنیف و تالیف میں مہمک رہے، خراساں سے دہلی تشریف لائے کچھ دن دہلی میں قیام فرما کر آپ اجمیر چوتھی بار واپس تشریف لائے۔

حضرت خواجہ غریب نواز کا اجمیر سے دھلی تشریف لانا: حضرت قطب الدین بختیار کاکی بغداد میں مقیم تھے اپنے پیر و مرشد کی قدم بوسی کے لئے ہندوستان کا سفر اختیار کیا آپ بغداد سے ملتان ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ حضرت خواجہ غریب نواز اُس وقت اجمیر میں تھے، قطب الدین نے قدم بوسی کی خواہش ظاہر کی اور اجمیر آنے کی اجازت چاہی حضرت خواجہ غریب نواز نے اس درخواست کے جواب میں قطب الدین کو لکھا کہ دہلی کا کارِ ولایت تمہارے سپرد ہے تم وہیں سکونت رکھو کچھ دنوں بعد خواجہ غریب نواز اجمیر سے دہلی تشریف لائے اور خواجہ قطب الدین کی خانقاہ میں قیام فرما ہو کر عزت بخشی، خواجہ غریب نواز نے اپنے دوران قیام دہلی میں عرفان کی دولت جی بھر کر لٹائی، قطب الدین کے حصہ میں گراں مایہ نعمت آئی، حضرت خواجہ غریب نواز نے روانگی کے وقت قطب الدین سے دریافت فرمایا تمہارے مریدوں میں سے کیا کوئی نعمت رہ گیا ہے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بابا فرید الدین گنج شکر کا نام لیا اور فرمایا وہ چلہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے فرمایا آؤ اُسے دیکھیں دونوں حضرات بابا فرید گنج شکر کے چلہ پر گئے، دروازہ کھولا تو دیکھا کہ بابا فرید گنج شکر بیٹھے ہوئے ہیں اور اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ تعظیم کے واسطے کھڑے

نہ ہو سکے۔ باچشم پر آب سر نیاز زمین پر رکھ دیا، بابا فرید کا یہ حال دیکھ کر سرکارِ اقدس غریب نواز نے فرمایا اے قطب کب تک اس بچارہ کو مجاہدہ میں کھلاؤ گے، آؤ اسے کچھ عطا کریں۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے بابا فرید کے لئے دعا کی اور عرض کیا خدایا ہمارے فرید کو قبول فرما اور اکمل درویش کے مرتبہ پر پہنچا۔ غیب سے ندا آئی یہ وحید عصر ہوگا۔ اس کے بعد خواجہ غریب نواز نے بابا فرید الدین کو دستار اور خلافت کے لوازمات عطا فرمائے، حضرت خواجہ غریب نواز نے بابا فرید کے بارے میں پیشن گوئی فرمائی اور قطب الدین کو مخاطب کر کے فرمایا بڑے شہباز کو دام میں لائے، اس کا آشیانہ سدرۃ المنتہیٰ ہوگا۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے دہلی میں ملاقات : حضرت خواجہ عثمان ہارونی ذی الحجہ ۶۱۱ھ دہلی تشریف لائے حضرت خواجہ غریب نواز کو شیخ طریقت کی قدم بوسی اور روحانیت کی طلب کے خاطر تین سال تک قیام فرمایا۔ جب خواجہ عثمان ہارونی حضرت خواجہ غریب نواز دہلی میں مقیم تھے شیخ سعدی شیرازی جو مشہور شاعر اور بوستان گلستان کے مصنف ہیں دہلی آئے اور دونوں حضرات سے ملاقات کی حضرت خواجہ عثمان ہارونی دہلی سے کوچ فرمایا تو خواجہ غریب نواز نے بہ چشم پرنم آپ کو خدا حافظ کہا، اپنے پیرومرشد کے فرمان کے مطابق حضرت خواجہ غریب نواز نے سلطان التمش کو گنج اسرار کے رموز کی تعلیم دینے کی غرض دہلی میں ایک مدت تک گنج اسرار کے رحمت حق میں پیوست ہوگئے۔

آپ کا وصال : آپ کی جبین مبارک پر بقلمِ قدرت یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے ھذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ (یہ خدا کا حبیب ہے اور اللہ کی محبت میں انتقال ہوگیا) آپ کے جنازہ کی نماز آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ فخر الدین نے پڑھائی جس حجرہ میں آپ پردہ فرمائے اسی حجرہ میں آپ کا روضہ مبارک بنا۔ مراۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ آپ مقامات قطبی اور قطب الاقطابی پر فائز تھے۔ ستر برس تک شب کو نہیں سوئے دن بر روزہ رکھتے اور رات بھر مراقبہ میں رہتے ۔آپ کا شمار دنیا کے اسرار مشائخ میں ہوتا ہے۔ صدیوں سے آپ کی بارگاہ مرجع خاص و عام ہے۔ آپ کا عرس مبارک ہر سال یکم تا ۶ ؍رجب المرجب کو عالیشان پیمانے پر منایا جاتا ہے جس میں دنیا بھر سے زائرین کرام جوق در جوق تشریف لاتے ہیں اور اپنی دامن مراد سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

جوش کی مرثیہ نگاری

از: مولوی قاری یم. بی. شیخ فضل اللہ لطیفی

ایم اے۔ایم فل

مدرس دارالعلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطبِ ویلور

جوش ملیح آبادی بیسوی صدی کے شاعرِ اعظم تھے۔جوش کی عظمتوں کے پیش نظر انہیں شاعر شباب،مصورِ شباب،شاعرِ انقلاب اور شاعرِ اعظم جیسے عظیم خطاب سے نوازا گیا۔حکومت ہند نے پدم بھوشن کا ادبی اعزاز عطا کیا۔ہندوستان میں جوش کی عزت وبزرگی حاصل تھی وہ آج بھی باقی ہے۔

ہمارے شعروادب کے ممتاز شعرائے اصناف شاعری کی ہر صنف کو اپنایا ہے اور پروان چڑھایا لیکن بعض شاعروں کا ذخیرہ کسی نہ کسی وجہ سے ضائع ہوگیا۔خاص طور سے مرثیہ کے ذخیروں کی طرف بہت کم توجہ دی گئی۔اگر صرف جوش کے عہد پر نظر ڈالیں تو ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔مثلاً صفی لکھنوی غزل اور نظم کے بہت بڑے شاعر تھے انہوں نے بہت سے مرثیہ بھی تصنیف کئے تھے لیکن آج ان کا ایک بھی مرثیہ دستیاب نہیں ہوتا۔

حال ہی میں ہندوستان سے مختلف شعراء کی حیات اور شاعری پر کتابیں شائع ہوئے ہیں جن میں جوش کے ہم عصر شعراء میں مانی جائسی،جعفر علی خان امیر وغیرہ پر بھی بعض کتابیں شائع ہوئیں،لیکن دونوں شاعروں کی خدمات کے سلسلے میں مرثیہ گوئی کا ذکر نہیں ہے۔

لہذا میں نے آج اپنا مقالہ جوش کی مرثیہ نگاری انتخاب کیا ہے۔جوش کی مرثیہ نگاری ایک روشنی کا منار ہے جس کی روشنی سے اردو مرثیہ کی بہت سی شاہراہیں جگ مگا اٹھیں۔

جوش نے اردو مرثیہ کی تاریخ کو نئے موڑ سے آشنا کیا۔موجودہ صدی میں جوش واحد شاعر ہے جنہوں نے سب سے پہلے اردو شاعری میں جدید مرثیہ کے باب کا اضافہ کیا۔جوش نے پہلا مر''ثیہ آوازِ حق'' 1918ء میں لکھا تھا۔یہ وہ دور تھا کہ ہندوستان میں خلافت اور عدم تعاون کی تحریکیں زور پر تھی۔آزادی کی جنگ میں بدیسی سامراج کے خلاف جوش نے اپنی شاعری سے بھرپور کام لیا۔آزادی کی جدوجہد کو جوش نے ''تازہ کربلا'' کا نام دیا۔یہی وجہ ہے کہ جوش کے مرثیہ میں بیم سے زیادہ رزم کا عنصر نمایاں ہوگیا،اور سیرت امام حسین کے بیان میں عزم وہمت بے خوفی اور شجاعت کا تصور سامنے آتا

ہے۔

قربان تیرے نام کے اے میرے بہادر
تو جانِ سیاست تھا تو ایمانِ تدبر
معلوم تھا باطن کے مٹانے کا تجھے گر
کرتا ہے تیری ذات پہ اسلام تفاخر
سوکھے ہوئے ہونٹوں سے صداقت کا سبق تھا
تلوار کے نیچے بھی وہی کلمۂ حق تھا

جوش نے اس کارنامہ صبر واستقلال کی وضاحت کے بعد قوم کو بیداری کا پیغام اس طرح سنایا۔

اے قوم وہی پھر ہے تباہی کا زمانہ
اسلام ہے پھر تیر و حوادث کا نشانہ
کیوں چپ ہے اس شان سے پھر چھیڑ ترانہ
تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ
مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام جلی ہو
لازم ہے کہ ہر شخص حسین ابن علی ہو

1941ء میں تحریک آزادی عالمگیر جنگ اپنے پورے شباب میں تھی جوش نے دوسرا مرثیہ حسین اور انقلاب لکھ کر قارئین کو امام حسین کے کارنامہ کی نئی تعبیروں کا پتہ دیا

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دم بدم
دشتِ ثبات و عزم ہے دشتِ بلا و غم
صبر و مسیح و جرأت سقراط کی قسم
اس راہ میں ہے صرف ایک انسان کا قدم
جس کی رگوں میں آتش بدرو حُنین ہے
جس سورما کا اسمِ گرامی حسین ہے

جو کاروانِ عزم کا رہبر تھا وہ حسین
خود اپنے خون کا جو شناور تھا وہ حسین
جو کربلا کا داور محشر تھا وہ حسین
جس کی نظر پہ شیوہ حق کا مدار تھا
جو روحِ انقلاب کا پروردگار تھا
ہر چند اہل جور نے چاہا یہ بارہا
ہوجائے محو یاد شہیدانِ کربلا
باقی رہے نہ نام زمیں پر حسین کا
لیکن کسی کا زور عزیزو نہ چل سکا
عباس نامور کے لہو سے دھلا ہوا
اب بھی حسینیت کا علم ہے کھلا ہوا

جوش تلخ گو، صاف گو، آزاد خیال اور بے باک شاعر تھے۔ سچی بات کہنے میں وہ کبھی نہیں ڈرتے۔ جوش منافقت کو پسند نہیں کرتے، منافقین سے سخت نفرت کرتے ہیں، جوش اپنے مرثیوں میں اسلام کے منافقین سے نفرت و بیزاری کا اظہار کیا ہے۔

اہلِ دل سے کہہ رہی ہے یہ مورخ کی زباں
بعد پیغمبر ہوئی تھیں کس طرح سرگوشیاں
چھا گیا تھا ہر طرف کس طرح دولت کا دھواں
کیا دبے پاؤں چلے تھے سازشوں کے کارواں
اب بھی ان امواج میں ڈوبی پڑی ہے کربلا
ہاں انہیں کی ایک تاریخی کڑی ہے کربلا

اردو ادب میں تصوف۔ چند پہلو

ڈاکٹر مہ نور زمانی بیگم

بنگلور، موبائل: 8431819043

میں نے جنوبی ہند کی تصوفانہ مثنویوں کے موضوع پر تحقیق کی ہے اور دکنی کی تصوفانہ مثنویوں کی روشنی میں تصوف کے مختلف پہلوؤں کو اپنی تحقیق کی دھوپ چھاؤں میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ اسی کے تحت میں اردو ادب میں تصوف کی روایت کے چند ایسے پہلو پیش کرنا چاہتی ہوں جن پر عمل پیرا ہو کر صوفیوں نے اپنے اپنے وقت میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا اور ہمیشہ کے لئے امر بن گئے۔

سبھی جانتے ہیں کہ تزکیہ نفس اور تصفیہء باطن تصوف کی اساس ہے، معرفت الٰہی اس کا مقصد ہے اور شریعت و حقیقت اس کے وسائل ہیں۔ حدیث قدسی کُنتُ کَنزاً مَخفِیاً فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخَلَقتُ الخَلقَ اور مَن عَرَفَ نَفسَہُ فَقَد عَرَفَ رَبَّہُ (خدا کو پہچاننا ہو تو اپنے آپ کو پہچانو) راہِ تصوف کے رہنما اصول ہیں۔

تزکیہ نفس کے تین مراتب تسلیم کئے جاتے ہیں، پہلے مرتبے میں نفس کو تمام صفات رذیلہ سے پاک کیا جاتا ہ، دوسرے تجلیہ نفس، اس مرتبے میں نفس کا میل کچیل دور کر کے اسے جلا بخشی جاتی ہے اور تیسرے، تحلیہ نفس، اس مرتبے میں نفس کو صفات حمیدہ سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سید الطائفہ ولسان التصوف حضرت شیخ جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ ''تصوف کی راہ وہی پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن پاک ہو اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفیٰؐ ہو اور وہ ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ تو شبہات کے گڑھوں میں گرے اور نہ ہی بدعت کے اندھیرے میں پھنسے۔'' اس کے علاوہ ان کا یہ بھی فرمانا ہے کہ تصوف کی عمارت آٹھ خصلتوں پر استوار ہوئی ہے، ایک سخاوت (جس کا نمونہ حضرت ابراہیمؑ تھے) دوسری رضا (جس کا نمونہ حضرت اسماعیلؑ تھے) تیسری صبر (جس کا نمونہ حضرت ایوبؑ تھے) چوتھی اشارت (جس کا نمونہ حضرت زکریاؑ تھے جو خدا کے حکم کے مطابق صرف اشاروں سے بات کرتے تھے اور ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالتے تھے) پانچویں غربت (جس کا نمونہ حضرت یحییٰؑ تھے) چھٹی لباس تصوف (جس کا نمونہ حضرت موسیٰؑ تھے) ساتویں سیاحت (جس کا نمونہ حضرت عیسیٰؑ تھے جنھوں نے ایک کنگھی اور ایک پیالہ لے کر سفر شروع

کیا اور جب اپنے ایک ہم سفر کو چلو سے پانی پیتے دیکھا تو پیالہ پھینک دیا اور پھر ایک اور ہم سفر کو بالوں میں انگلیاں پھیرتے دیکھا تو کنگھی بھی پھینک دی) اور آٹھویں خصوصیت فقر ہے (جس کا نمونہ آنحضرت ؐ کی ذات بابرکت تھی کہ آپ کو دونوں جہانوں کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئیں تو آپ ؐ نے انھیں لینے سے احتراز کیا)۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا نظریہ ہے کہ جب کسی صوفی کی ذات اور شخصیت میں یہ تمام آٹھ اوصاف ایک ساتھ جمع ہو جاتے ہیں تو وہ تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے، واصل بحق ہو جاتا ہے اور اس سے کرامات نمایاں ہونے لگتی ہیں۔

دوسری صدی ہجری میں جب بغداد کے شہر کوفہ میں تصوف کی ابتدا ہوئی تو صفا، سادگی اور فقر و فاقہ کو تصوف کی اہم قدریں سمجھا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو نہ تو خود کی فکر ہوتی تھی، نہ روزی حاصل کرنے کی اور نہ ہی بیماری میں علاج کی طرف توجہ دینے کی۔ شریعت و سنت کے احکام واصول ان کے رہنما تھے۔ اس روایت میں موجود اُخوت، محبت، انسانی ہمدردی اور رواداری جیسی دلکش قدریں لوگوں کو سکون قلب اور اطمینان نفس کا سامان مہیا کرتیں اور وہ ایک مقناطیسی قوت کے ساتھ اس کی طرف کھینچے چلے آتے۔ اسی لئے جلد ہی کوفہ، بلخ، بصرہ اور خراسان تصوف کے مراکز بن گئے۔ ابتدائی صوفی انتہائی ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مسلک پر چل رہے تھے لیکن ان کی نہ کوئی منظم جماعت تھی اور نہ ہی انھوں نے اپنے عقائد کو ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کی تھی۔ مگر تقریباً تیسری صدی ہجری کے اواخر سے ہی مذہب اور مختلف فلسفوں کے معاملات میں نئی نئی موشگافیوں وجود میں آنے لگیں تو ان کے اثرات تصوف کی روایت پر بھی پڑنے لگے، اور آہستہ آہستہ اس روایت نے ایک فلسفیانہ نظام کی صورت اختیار کر لی۔

محبتِ الٰہی، مکارم اخلاق اور خدمت خلق بدستور تصوف کا خلاصہ رہے لیکن قرب الٰہی حاصل کرنے کے راستوں میں اختلافات رونما ہو گئے۔ اِنھیں اختلافات نے تصوف کے مختلف سلسلوں کو جنم دیا۔ لہٰذا جب ہندوستان میں تصوف کی روایت کا بول بالا ہوا تو، اس کی یہی صورت حال تھی۔ مشہور مورخ ڈاکٹر تارا چند کا ایک اقتباس انتہائی خوبی کے ساتھ اس صورت حال کی عکاسی کرتا ہے، لکھتے ہیں:

"تصوف ایک پیچیدہ چیز ہے۔ اس کی مثال اُس دریا کی سی ہے جس میں مختلف ملکوں کی چھوٹی چھوٹی ندیاں آکر ملتی ہیں اور اسے ایک بڑا دریا بنا دیتی ہیں۔ اس کا اصل سرچشمہ قرآن اور پیغمبر اسلام کی زندگی ہے، مسیحیت اور نو افلاطونیت کے دھارے اسی میں آکر ملے اور اس کا حجم بڑھا، ہندوئیت اور بدھ ازم نے اس کو کئی نئے خیالات دیئے اور قدیم ایرانی مذہب

جیسے زرتشت اور مانی کے مذاہب وغیرہ نے بھی اسے، اپنا اپنا حصہ دیا۔''

قرآن پاک میں یہ بات صراحت کے ساتھ بیان کردی گئی ہے کہ اول آخر، ظاہر باطن خدا ہی ہے، تم جس طرف منہ کرو اُدھر خدا ہی خدا ہے، وہ ہر چیز کو محیط ہے۔ چنانچہ اسلامی صوفی خصوصاً شیخ اکبر ابن عربیؒ کے مقلدین و دیگر صوفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں خدا کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔ یہ دکھائی دینے والا عالم جسے ماسواء کہتے ہیں ماسواء نہیں ہے بلکہ خدا کا مظہر ہے۔ خدا اپنی لا انتہا شان کے ساتھ اس عالم میں جلوہ گر ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ'' عارف اور معروف ایک ہی ہے۔''، بقول صوفیائے عظام وجود یعنی ذات یا ہستیءِ مطلق اپنی ذات میں ہر نسبت اور ہر قید سے پاک ہے۔ احدیت، لاتعین وغیرہ اصطلاحیں اسی مقام کا اشارہ ہیں۔ وجود کی کوئی شکل ہے اور نہ ہی حد ہے، لیکن جب یہ ظہور کرتا ہے تو اس کا ظہور شکلوں میں ہوتا ہے۔ اس ظہور کے کئی مرتبے ہیں۔ ان مرتبوں کو تنزلات کہتے ہیں۔ چونکہ تنزلات کے سات مرتبے ہیں، اسی لئے انھیں تنزلات ستہ بھی کہتے ہیں۔ بہر کیف احدیت وجود کا پہلا مرتبہ ہے۔ دوسرا مرتبہ علم اجمالی کا ہے یعنی ذاتِ مطلق کی وہ حالت جہاں اسے اپنی ذات اور صفات کا علم حاصل ہے۔ اِسے وحدت، حقیقتِ محمدی، لاہوت وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ تیسرا مرتبہ علم تفصیلی کا ہے۔ اسی مقام میں اسمائے حقیقتِ انسانی کا ظہور ہوا۔ اسے واحدیت، حقیقت انسانیہ اور جبروت کہتے ہیں۔

اس مرتبے میں تمام کائینات کی صورت خدا کے علم میں تفصیل کے ساتھ موجود ہوئی۔ کائینات کو ان ہی علمی صورتوں کے مطابق خارجی عالم کے روپ میں تخلیق کیا گیا۔ ان علمی صورتوں کو ''اعیان ثابتہ'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ وجود پانے سے پہلے سے خدا کے علم میں موجود تھیں۔ احدیت، وحدت اور واحدیت یہ تینوں مرتبے علمی اعتبار سے سمجھنے سمجھانے کے ہیں۔ چوتھا مرتبہ تشبیہ اور وجود خارجی کا ہے، اسے عالم ارواح بھی کہا جاتا ہے۔ اس مرتبے میں جو موجودات ہیں وہ مادے سے پاک اور بسیط ہیں۔ اس مرتبے کو ملکوت بھی کہتے ہیں۔ پانچواں مرتبہ عالم مثال کا ہے۔ اس سے وہ اشیا مراد ہیں جو غیر مادی ہیں اور لطیف ہیں، یہی مرتبہ عالم خواب میں ظاہر ہوتا ہے۔ بعض نے اسے بھی ملکوت کے درجے میں شامل کیا ہے۔ چھٹا مرتبہ عالم اجسام کا ہے یعنی یہ نظر آنے والا مادی عالم جسے ناسوت کہتے ہیں۔ انسان اسی مرتبے میں شامل ہے لیکن اس کے خاص شرف اور جامعیت کی وجہ سے اسے علیحدہ سے ساتویں مرتبے میں شامل کیا گیا ہے۔ اسے تمام مراتب کا جامع اور کامل ترین ظہور قرار دیا جاتا ہے۔ شاہ اصغر کے مندرجہ ذیل شعر میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے ہے:

گر چہ اُس نور کا ہے یوں تو سبھی جائے ظہور :: پر کھلا خوب طرح، صورتِ انسان میں آ

صوفیوں کے نزدیک یہ عروج اپنی انتہائی اور کامل صورت میں حضرت محمدؐ کو حاصل تھا۔ آپ کے اتباع میں یہ رتبہ بقدر استعداد و عطیہ خداوندی، ہر زمانے میں دوسرے انسانوں کو بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ جب انسان کا باطن عروج کرتے جاتا ہے تو یہ تمام مراتب اُس میں ظاہر ہوتے جاتے ہیں اور وہ انسان کامل بن جاتا ہے۔

غرض تنزلات کے عمل کی وجہ سے خدا اور بندے کے درمیان ایک عظیم فاصلہ پایا جاتا ہے۔ یہ فاصلہ صوفیوں کے شعور و ادراک پر چھایا رہتا ہے۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اس فاصلے کو عبور کر جائیں۔ راہ سلوک کے طریقوں میں صوفیا کے ما بین اختلاف ہوسکتا ہے لیکن، سب کا مقصود ایک ہی ہوتا ہے کہ انھیں قرب الٰہی حاصل ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ قرآن پاک میں خدا کو اپنے دل میں ہمیشہ یاد کرتے رہنے کی تاکید کی گئی ہے، کھڑے، بیٹھے لیٹے ہر وقت۔ چنانچہ صوفیوں میں ذکر، فکر اور مراقبے وغیرہ اشغال کے لاتعداد طریقے ملتے ہیں۔

صوفیا کے ہاں مقامات کا بیان بھی آتا ہے پہلا مقام ہے انابت جس کا مطلب ہے غفلت سے ہوش میں آنا۔ اس کے بعد توبہ ہے، پھر استقامت ہے، ورع ہے اور تقویٰ ہے۔ اسی طرح زہد، صدق، صبر، شکر، اخلاص، توکل، خوف، فقر، رضا وغیرہ اعمال و اشغال ہیں جیسے کہ ''مجاہدہ'' ہے۔ یہ نفس اور شیطان سے جنگ کرنے کا اور بُری خواہشات کی مخالفت کرنے کا طریقہ ہے۔ پھر ''محاسبہ'' ہے جو انسان کا خود اپنے آپ سے اچھے اور برے اعمال کا حساب لیتے رہنے کا عمل ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ برائیوں کو چھوڑنے کی کوشش ہمیشہ جاری رہے۔ اسی طرح انسان کا خدا کو حاضر، ناظر، سمیع اور بصیر جان کر اس کی یاد میں ڈوب جانے کا عمل ہے جس کو ''مراقبہ'' کہا جاتا ہے۔

بہر کیف سالک کو قرب الٰہی کی منزل پر پہنچنے کے لئے اپنے کسی بھی منتخب کردہ مسلک یعنی سلسلہء تصوف کو اختیار کرنا ہوتا ہے۔ ہر مسلک میں کئی اعمال، اشغال انجام دینے ہوتے ہیں، افکار و مسائل کا اقرار کرنا ہوتا ہے اور ان تمام امور کے لئے مقرر کردہ اصطلاحات سے واقفیت حاصل کرنی ہوتی ہیں۔ مجھے ان تمام باتوں کو اس لئے بیان کرنا پڑا کہ یہ تمام باتیں ہمیں اردو ادب کی ایک صنف ''مثنوی'' میں (خصوصاً دکنی مثنویوں میں تصوف کی ان تمام وضاحتوں کے ساتھ ملتی ہیں)۔

جب چشتیہ سلسلہء تصوف کے علم بردار حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ حضرت چراغ دہلوی نے اپنے مرید خاص حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ؒ کو جنوبی ہند بھیجا اور پھر حضرت میرانجی شمس العشاقؒ نے جو دو واسطوں سے حضرت گیسو درازؒ سے

وابستہ تھے، یہاں پر اپنے خانوادہء چشتیہ کا چراغ روشن کیا تو حضرت میرانجیؒ کے فرزند و خلیفہ حضرت شاہ برہان الدین جانمؒ اور پھر جانمؒ کے فرزند و خلیفہ حضرت امین الدین علی اعلیٰؒ اور ان سب کے بے شمار مریدوں نے اپنے مسلکِ تصوف کی تشریح و فروغ کے لئے اس قطعے کی اردو زبان کی مروجہ ابتدائی شکل یعنی دکنی زبان میں سینکڑوں طویل اور مختصر رسائل تصنیف کر ڈالے اور دکنی شاعری کی بنیادوں کو نہایت مستحکم کر دیا۔ اتنا ہی نہیں اس وقت پورے دکن میں ان صوفیوں کی تعلیمات نے بھائی چارے، رواداری اور انسان دوستی کی روایات کو اس قدر استحکام کے ساتھ پھیلایا تھا کہ آج بھی اس کے اثرات دکن میں نمایاں ہیں۔

جب ہم دکن کے اِن ادب پاروں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان میں تصوف کے کئی پہلو ملتے ہیں۔ حضرت میرانجی شمس العشاقؒ بیجاپور میں متمکن تھے جہاں پر یوں تو طریقہء عالیہ قادریہ کا بول بالا تھا لیکن خانوادہء میرانجی کی مساعی نے چشتیہ مسلک کو دکن کی وسعتوں میں دور دور تک پھیلا دیا۔ کیا بادشاہ اور کیا عوام سبھی زلف تصوف کے اسیر ہو گئے، تذکروں میں کئی ایسے واقعات کا ذکر ملتا ہے جو ثابت کرتے ہیں کہ صوفیا آپ اپنی دنیا کے مالک تھے۔ وہ حکمرانوں یا بادشاہوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ ایسا گزرا ہے کہ ابراہیم عادل شاہ کے دور حکومت میں بیجاپور میں ایک مشہور صوفی حضرت شاہ مصطفیٰ قادریؒ کا بہت چرچا تھا۔ مصنف اہل ھدا نے بیان کیا ہے کہ ابراہیم عادل شاہ کو شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کی بڑی خواہش تھی لیکن شاہ مصطفیٰ اس کا موقع ہی نہ دیتے تھے۔ جب شاہ صاحب کے ایک مرید کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ بوقت صبح جب شاہ صاحب اپنے حجرے میں وظائف میں مشغول ہوتے ہیں اگر بادشاہ سیدھے سادے لباس میں ان کے ہمراہ تشریف لے چلے تو ممکن ہے کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ ایسا ہی کیا گیا لیکن شاہ صاحب نے بادشاہ کی طرف نظر بھی نہ ڈالی۔ مرید نے شاہ صاحب سے بادشاہ کا تعارف کرایا تو پوچھا کہ کیسے آنا ہوا۔ بادشاہ نے کہا کہ قدم مبارک دیکھنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔ شاہ صاحب نے فرمایا' دیکھ لیا، اب گھر جاؤ' بادشاہ نے برا مان لیا اور کہا' آپ کو دیکھا، اب آپ کی کرامت دیکھنا چاہتا ہوں۔' اتنا سننا تھا کہ شاہ صاحب کا چہرہ متغیر ہو گیا، انھوں نے کمرے کی چھت پر نظر ڈالی تو چھت میں ایک شگاف پڑ گیا، ایک شعلہ اوپر سے نیچے کی طرف لپکا اور دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔ بادشاہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

اس کے ہوش میں آتے ہی شاہ صاحب نے چھت پر دوبارہ نگاہ ڈالی اور شعلہ اوپر جا کر غائب ہو گیا۔ شاہ صاحب

نے فرمایا کہ ''باشاہ اور فقیر کے درمیان چاند آ گیا تھا، اگر سورج آ جاتا تو تیرا چہرہ سیاہ ہو جاتا'' بادشاہ نے محل کی راہ لی لیکن دوسرے ہی دن سویرے پھر سے لباس تبدیل کر کے آستانے پر حاضر ہو گیا، شاہ صاحب پانی کا لوٹا لئے حجرے کی طرف جا رہے تھے۔

بادشاہ دوڑ کر ان کے قدموں پر گر پڑا۔ انھوں نے دریافت کیا کہ کیوں آیا ہے؟ بادشاہ نے رگڑ رگڑا کر کہا کہ معافی مانگنے آیا ہوں اور روزانہ زیارت کا خواہاں ہوں۔ انھوں نے غضب ناک ہو کر فرمایا 'دیک، جدھر کو دیک، اودھر مصطفیٰ ہی مصطفیٰ' ہے، ایسا دیک کہ پھر نہ دیکن پائیو' اب کیا تھا کہ بادشاہ نے جدھر نظر ڈالی، اودھر اسے مصطفیٰ ہی نظر آ رہے تھے۔ لہٰذا اِس واقع کے بعد بادشاہ نے کبھی زیارت کی جسارت نہ کی۔ یہ تو ایک واقع معترضہ تھا۔ اب ہمارے مطلب کی طرف آئیں تو یہ حقیقت ہے کہ حضرت میرانجی، حضرت جانم اور حضرت امین الدین اعلی ولی کامل اور عارف واصل تھے ہی، انھوں نے اپنے مریدوں کی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ بھی اپنی تحریروں میں اپنی جدتِ طبع کا ثبوت دیتے ہیں۔

حضرت جانمؒ سے اور خانوادہ امینیہ سے وابستہ مریدوں کے ادب پاروں میں تصوف کی تمام تفصیلات وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں۔ ان میں ہمیں تصوف کے نکات بھی ملتے ہیں اور اصطلاحوں کی تشریح بھی ملتی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت جانم نے چار عناصر کی روایت میں ایک اور پانچویں عنصر ''خالی'' کا اضافہ کیا تھا اور اِس کو اپنے نظام تصوف میں اپنا کر حضرت امین نے اپنے پانچ عناصر پچیس گن کے نظام تصوف کی بنیاد ڈالی تھی، اس کی مکمل تشریح بھی ان ادب پاروں میں ملتی ہے۔ چار عناصر کا تصور تو تصوف کا عام تصور ہے لیکن پانچویں عنصر 'خالی' کا تصور ہندو فلسفے کے ساتھ مخصوص ہے جسے پنچ بھوت بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت امین اس سے متاثر تھے۔ انھوں نے اس کو بھی اپنے نظام تصوف میں شامل کر لیا تھا۔ حضرت جانم اور حضرت امین کے یہاں پہلے ذات ہے، اس کے بعد قدرت، پھر صفا۔ صفا سے ہوا پیدا ہوئی، ہوا سے بارا، بارے سے آگ، آگ سے پانی اور پانی سے خاک۔ وجود کے بارے میں مریدوں کو سمجھایا جاتا تھا کہ ایک چیز سے دوسری چیز کو وجود ملا ہے۔ جب یہ فنا ہوتے ہیں تو اسی طرح ترتیب سے ایک دوسرے وجود میں عروج کرتے جاتے ہیں۔ حضرت امین مراتبِ وجود کی تفسیر کے سلسلے میں واجب الوجود کی جہاں بھی تشریح کرتے ہیں پانچ عناصر اور ان کے گنوں کو اپنے مخصوص رنگ میں تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

حضرت امین کے مرید حضرت شاہ عبداللطیف قادریؒ کی تصنیف کردہ مثنوی ''رسالہء تصوف'' میں بھی ان باتوں کو

نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔نمونہ کلام ملاحظہ ہو، فرمایا ہے :(یہ دکنی زبان میں ہے)

اول اللہ تنہا قدیم　　گنج مخفی میں آپ مقیم
پنج ذکر او کرتا تھا ہی　　جلی قلبی روحی سری خفی
دیکیا اپس روحی سوں　　بوجیا اپس قلبی سوں
جلی ذکر میانے اُن　　کھیا کن فیکون
محمد ہوکر نکلیا بہار　　برقع خاکی کر اظہار
پنج تن میانی آپی رب　　ہرہر تن میں پنج تن سب

(تنہا=تھا، دیکیا=دیکھا، بوجیا= بوجھا ،میانے =درمیان،میں،کھیا= کہا، بہار=باہر)۔ یہ بھی کہا ہے

ذات اندر قدرت اہے　　قدرت میانی صفا اہے
صفا بہتر ہے ہوا　　ہوا اندر بارا آ
بارے سیتی ہوی اگ　　اگ اندر پانی خاک
پانی سیتی ہوئی ماٹی　　ساری قدرت کی بھٹی
پھر سب جائیں گے عروج　　جہاں سوں آئے وہاں بوج

(اہے= ہے، بہتر=بھیتر، سیتی= سے، اگ= آگ، سوں=سے، بوج=بوجھ)اسی طرح حضرت امینؒ نے ہر عنصر کے گن (نرگن اور سوگن) مقام،دروازے،پھل، پھول، وغیرہ پچیس خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔حضرت شاہ عبداللطیف قادری بھی ان کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نفس امارہ بندہ جان　　پنج ہواس ہیولی زیان
تن بندہ روح ہے ذات　　تن صفات ہے آواز ذات
یہہ بوج جس میں نیں قیام　　مرید کرنا اسے حرام

پھر کہا ہے:

اب کہوں واجب الوجود　　پنج عناصر ہیں موجود

ماٹی پانی آگ بارا خالی اندر کیا ٹھارا

پانچ عناصر پچیس گن گن کا اب تو معنا سن

پنج گن ماٹی کا حال ہڈ رگاں کوشت چمڑا بال

پنج گن پانی سن غنی مغز جلاب خوی استنجا منی

پنج گن آتش کا ہو جم بھوک پیاس سستی نیند ہضم

پنج گن بارے کے بوجنا ہلنا چلنا جمائی کانپنا سُجنا

دیگر کروں تجکوں حل پانچوں کے ہیں پانچ محل

ماٹی کا محل تلی جان دروازہ ناف تالو مان

پانی کا محل پھیپڑا کلیجا دروازہ آنکھ اور بھیجا

آگ کا محل تباہی جان دروازہ اس کا ہے کان

بارے کا محل پھپسا، گھر ناک ہے، دروازہ سر

(نیں= نہیں، ٹھارا= قیام، معنا = معنی، کوشت= گوشت، ہضم= ہاضمہ، سُجنا= سوُج جانا، تجکوں= تجھ کو، محل= جائے قیام)

غرض خانوادہ ءامینیہ کا یہی فلسفہ مختلف رسائل میں نوع بنوع طریقوں سے صدیوں بیان ہوتا گیا۔ اس بات کو کئی مثالوں کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے کہ جب انسان خدا کو پہچاننا چاہتا ہے تو وہ اپنے وجود سے درجہ بدرجہ عروج کرتے ہوئے واجب الوجود، ممکن الوجود، ممتنع الوجود کی منزلیں طے کر کے عارف الوجود کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔ عارف الوجود کو پہنچنے اور شہادت شہدا سے گزرنے کے بعد سالک اپنے عارف الوجود کو ہفت شغل کے حوالے کر دیتا ہے اور مقام قرب کا خواہش مند ہوتا ہے ہفت شغل سات حروف سے منسوب ہیں خ ح ج ث ت ب اور ا، ہر حرف سے ایک دعا شروع ہوتی ہے۔ اللہ تعالی ان اشغال کی برکت سے سالک کو اپنی امان میں لے لیتا ہے اور قرب سے سرفراز کر دیتا ہے۔ اب سالک واحد الوجود کے مرتبے کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ وجود خود سے قائم ہے، قدیم القدیم ہے، لاجہت ولا مکاں ہے، ازل الازال ہے، لا تعین ولا زماں ہے جب تک سالک اس وجود کو نہیں پالیتا اپنی اصل کو نہیں پہنچتا۔ انسان کو اپنے وجود سے عروج پا کر ان تمام منازل سے گزرتے ہوئے واحد الوجود کی منزل کو پہنچنے کے لئے سب سے پہلے کامل مرشد کا دامن تھامنا ہوتا ہے۔ ان کی

رہبری کے بغیر یہ مقام اسے کبھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

سچے پیر، راہ معرفت کی سیر کرنا جانتے ہیں۔ وہ سالک کو معرفت کا تاج پہنا کر اسے ''میں پن'' کے غرور سے نکال دیتے ہیں، اگر سالک کسی پیر کی رہنمائی میں ان منزلوں کو طے نہ کرے تو وہ گمراہ ہوجائے گا اور بیکار ہی اپنی عمر ضائع کرے گا۔ اللہ ہر کسی کو نہیں بلکہ جس کو چاہے اسی کو اس راستے پر ڈالتا ہے، چنانچہ اس معاملے میں کہی گئی ابیات ہیں:

جن کوں اللہ دیوے راہ اس کوں دیوے سب سمجھا
ایسا رچنک جگ کا میل قدرت کیرا مانڈیا کھیل

(کوں= کو، کیرا= کا)۔ اس بات کو مثنوی 'شادی نامہ' میں شاعر نے فرمایا ہے:

سنو ماواں بھیناں شادی کا رسمانا نبی صاحب بولے ہیں سو، کامل پیر سوں پانا

یہ رسائل اردو ادب کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔ امینیہ خانوادے کے بیشتر مرشدوں نے اپنے مسلک کی ترویج وتحفظ کے لئے رسائل تصنیف کئے ہیں اور اردو ادب میں مضمون آفرینی کے دفاتر کھول رکھے ہیں۔ اس روایت کو تذکرہ نگاروں نے روش تازہ کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔ ان میں نہایت لطیف و بلیغ تشبیں، استعارے، دلکش محاکات، نئی نئی مجتہدانا اصطلاحیں، بصیرانہ اختصار سب کا استعمال کیا گیا ہے۔ لہٰذا اردو ادب میں تصوف نے اردو زبان کو کمال فنکاری اور سلیقے کے ساتھ اظہار کے طریقوں کا استعمال کرنے کے آداب سکھائے ہیں۔ صوفیائے کرام کی قوت تخیل غضب کی تھی۔ انھوں نے شادی، پھوگڑی کے کھیل جیسے سماجی و معاشرتی رسوم ورواج اور چکی اور چرخہ جیسے اشیاء کو تصوف کے علامتی استعاروں کے طور پر استعمال کر کے شادی نامے، چکی نامے، نور نامے، چرخہ نامے، لگن نامہ، اور پھوگڑی جیسے ادب پاروں یا یوں کہئے کہ تصوف پاروں سے اردو زبان کو وسعت دی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ان تصوف پاروں میں دور جدید کے افسانوی ادب کی اکثر خصوصیات جیسے کہ کردار نگاری، منظر نگاری، جزئیات نگاری، محاکات نگاری، مکالمہ نگاری وغیرہ اور یہاں تک کہ مصاحبہ نگاری کی بھی نیو پڑ گئی ہے۔ کتب خانہ، سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد ان تصوف پاروں کا مخزن ہے۔ یہاں پر یہ سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور اپنے شائقین کو دعوت مطالعہ دیتے ہیں۔

طوطیٔ ہند سلطان الشعراء

حضرت امیر خسروؒ

از: کے سید احمد یم اے
سابق لکچرار وصدر شعبۂ جغرافیہ، دیانند اکالج، بنگلور
موبائل: 8892606937

ابوالحسن نام اور تخلص خسرو تھا اصلی نام تخلص میں دب گیا چنانچہ امیر خسرو کے نام سے مشہور ہیں والد بزرگ کا نام امیر سیف الدین لاچین اور نانا کا نام عماد الملک تھا۔ امیر خسرو کے والد جو بلخ (ترکستان) کے امیرزادوں میں سے تھے مقامی شورش اور فساد کی وجہ سے ہجرت کر کے سلطان التمش کے دور حکومت میں ہندوستان آئے اور موضع پٹیالی ضلع ایٹہ (اتر پردیش) یہ گنگا کے کنارے واقع ایک چھوٹے سے موضع کا نام ہے جو اس زمانے میں ایک فوجی چھاؤنی تھی قیام کیا۔ عدل وانصاف اور غیر معمولی استعداد کی بنا پر بہت جلد بادشاہ کے مقربین میں شامل ہو گئے۔ یہاں پر ان کی شادی عماد الملک کی صاحبزادی سے ہوئی۔ ان کے بطن سے تین بیٹے ہوئے امیر خسرو سب سے چھوٹے بیٹے ہیں۔ حضرت امیر خسرو کی ولادت ۶۵۳ھ م ۱۲۵۵ء میں ہوئی۔

جب حضرت امیر خسرو تولد ہوئے تو آپ کے والد ماجد پیدائش کے فوراً بعد کپڑے میں لپیٹ کر ایک مجذوب کے پاس لے گئے (مجذوب پڑوس میں رہتے تھے اور صاحب نعمت تھے) مجذوب نے دیکھتے ہی کہا کہ اے امیر یہ لڑکا آسمانِ تصوف کا آفتاب اور ہر فن میں صاحب کمال ہوگا۔ اس کا نام قیامت تک باقی رہے گا لوگ اس کے کلام کو پڑھیں گے اور وجد کریں گے اور مشہور شاعر قاآنی سے بھی دو قدم آگے ہوگا۔

حضرت امیر خسرو کی تعلیم آپ کے نانا عماد الملک کے پہلو میں ہوئی تھوڑے ہی عرصے میں آپ تمام علوم سے فارغ ہو گئے اور آپ کا شمار فضلائے وقت میں ہونے لگا۔ بچپن ہی سے خوب طبیعت حاضر جوابی، عالی طبع، زود فہم اور خوش گو تھے۔ شعر و شاعری سے فطری لگاؤ تھا خوب شعر کہتے اور لوگوں سے تحسین ستائش وصول کرتے۔ ابتداء میں یہ معمول تھا کہ وہ کچھ کہتے اپنے بڑے بھائی اعزالدین سے اصلاح لیا کرتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ سارا خاندان علم وادب کا آفتاب تھا۔

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ کو باطنی علوم کی جانب توجہ ہوئی جس وقت آپ کی عمر آٹھ نو سال کی ہوگی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سارے ہندوستان میں حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے باطنی کمالات کا چرچہ تھا۔ امیر خسروؔ حضرت محبوب الٰہی کی شہرت سن کر اپنے بھائی اور دیگر افرادِ خاندان حضرت کی خدمت میں باطنی تربیت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت آپ کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور فرمایا کہ تمہاری چمکتی ہوئی پیشانی سے یہ بات روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہمارے آفتابِ ولایت کی شعاع اسے اور بھی چمکا دے گی۔ حضرت محبوب الٰہی کے اس ارشاد کے بعد امیر خسروؔ حضرت کے حلقۂ مریدوں میں شامل ہوگئے۔

صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ حضرتؒ امیر خسروؔ ایک روز حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں ایک شعر پیش کیا حضرت محبوب الٰہی بہت خوش ہوئے فرمایا کیا مانگتے ہو؟ امیر خسروؔ نے درخواست کی کہ دعا فرمائیں کہ میں شریں سخن ہو جاؤں۔ حکم ہوا چار پائی کے نیچے شکر کا ملشت رکھا ہوا ہے اسمیں کچھ شکر کھاؤ کچھ اپنے سر پر ڈالو۔ تعمیل کی گئی چند ہی سال میں امیر خسروؔ کی شیریں سخن چہار وانگ میں پھیل گئی۔ اور امیر خسروؔ کو شاعر بے بدل تسلیم کیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد امیر خسروؔ افسوس کرتے کہ میں نے کوئی اور درخواست کیوں نہیں کہ۔

حضرت محبوب الٰہی کی نظروں میں امیر خسرو کی بیحد قدر و منزلت تھی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ محبوب الٰہی نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ ''اے ترک (محبت سے امیر خسروؔ کو ترک کے نام سے یاد کرتے تھے) میں سب سے تنگ آجاتا ہوں یہاں تک کہ اپنے آپ سے بھی مگر تجھ سے کبھی تنگ نہیں ہوتا''۔

حضرت امیر خسرو کو اپنے پیر و مرشد سے بے حد محبت تھی اس کا اندازہ پچھلے واقعات سے کیا جاسکتا ہے اس لئے آپ کی عادت تھی کہ اپنے اوقات کا اکثر و بیشتر حصہ اپنے پیر و مرشد حضرت محبوب الٰہی کے پاس گزارتے تھے۔ وہ آپ کو اپنی آنکھوں کے سامنے سے کبھی جدا نہیں کرتے تھے اور امیر خسرو کو حضرت سے اس بلا کا عشق تھا تو حضرت سے علیحدہ ہی نہیں ہوتے تھے اور اگر ہوتے تو دن رات بے چین رہتے۔ لیکن قدرت کے عجیب کھیل ہیں کہ حضرت محبوب الٰہی کا جب وصال ہوا تو امیر خسرو سلطان غیاث الدین تغلق کے ہمراہ گئے ہوئے تھے۔ اس عاشق صادق کو جوں ہی حضرت کے انتقال کی خبر ہوئی تو امیر خسرو کے دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی اور بادشاہ سے کہہ کر دیوانہ وار دوڑ پڑے۔ دہلی پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت محبوب الٰہی اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے یہ سنکر بے تاب ہوگئے۔ جو کچھ پاس تھا سب کا سب مرشد کے

ایصال ثواب کے لئے فقراء و مساکین پر لٹا دیا، سر کے بال کٹوا دیئے اور پاگلوں کی طرح مزار انوار پر آ کر گر پڑے پھر اس سے ٹکرا کر ایک چیخ ماری اور تعجب ہے آفتاب زمین کے اندر چھپ جائے اور خسرؔو زندہ رہے یہ کہہ کر بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آیا تو پھر گریہ وزاری کرنے لگے غرضیکہ ماتمی لباس پہن کر مزار اقدس پر آن بیٹھے اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

حضرت محبوب الٰہی کی وفات نے حضرت امیر خسرؔو کو نیم مردہ کر دیا تھا۔ چنانچہ چھ مہینے بعد ۱۸ر شوال کو عالم آخرت کو سدھارے اور اس طرح اپنے پیر و مرشد سے جا ملے۔

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے پیشن گوئی فرمائی تھی اور ساتھ ہی ساتھ وصیت کی تھی کہ امیر خسرؔو میرے بعد زندہ نہیں رہیں گے۔ ان کے انتقال کے بعد میرے پہلو میں دفن کرنا۔ وہ میرا راز داں ہے اور میں بغیر اس کے جنت میں قدم نہیں رکھوں گا۔ ایک مرتبہ فرمایا تھا اگر شریعت میں اجازت ہوتی تو میں وصیت کرتا کہ امیر خسرؔو کو میرے ساتھ دفن کرنا تاکہ دونوں یکجا رہیں۔ حضرت محبوب الٰہی حضرت امیر خسرؔو سے اکثر یہ بھی فرمایا کرتے تھے ''تری زندگی ہماری زندگی کے ساتھ وابستہ ہے۔ جب ہم نہ رہیں گے تو تو بھی اپنے آپ کو دنیا میں نہ سمجھنا''۔

حضرت محبوب الٰہی کے ارشاد کے مطابق حضرت امیر خسرو کو بالکل متصل دفن کیا گیا۔ تقریباً دو صدیوں تک مزار پر کوئی عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ سب سے پہلے بابر بادشاہ کے عہد میں مہدی خواجہ نے آپ کا مقبرہ تعمیر کروایا پھر جہانگیر کے عہد حکومت میں عماد حسین بن سلطان علی سبزواری نے سنگ مرمر لگوایا اور تعمیر میں اضافہ کیا۔

حضرت سعدی شیرازیؒ کے زمانۂ پیری میں حضرت امیر خسرؔو بالکل نوجوان تھے۔ حضرت میر خسرؔو کو اس اعتبار سے بھی بہت بڑی عظمت حاصل ہے کہ آپ ہی نے اس برِعظیم میں سب سے پہلے اردو زبان کا سنگ بنیاد رکھا۔ امیر خسرو بہت بڑے اہل قلم اور بے بدل شاعر تھے۔ مختلف موضوع پر 99 کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں اکثر آج ناپید ہیں۔ آپ کے اشعار کی مجموعی تعداد 5 لاکھ ہے۔ آپ ہی نے حضرت محبوب الٰہی کے ایما پر سب سے پہلے اردو کی داغ بیل ڈالی۔ اس کے علاوہ درویشِ کامل، ایک خدا رسیدہ مایہ ناز ادیب اور بے مثال شاعر اور شیخ طریقت تھے۔ صاحب سیر الاولیا کا بیان ہے مجلّہ آپ کے اصحاب کے سلطان الشعراء امیر خسرؔو ہیں جو فضیلت اور بزرگی میں متقدین اور متافرین سے سبقت لے گئے تھے۔ باطن صاف رکھتے تھے اگرچہ بظاہر بادشاہوں سے تعلق رکھتے لیکن صورت و سیرت میں اہل تصوف کا طریقہ عیاں تھا۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں تھا جو تصوف کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

''تاریخ اردو ادب اور صوفیاء''

از: منصور علی خان سہروردی

مدیر اعلیٰ ہفت روزہ ''تسخیر انسانیت'' بنگلور

موبائل: 9845658861

اردو آئین ہند میں تسلیم شدہ 22 زبانوں میں سے ایک ہے۔اس کی تاریخ لگ بھگ 900 سال بتائی جاتی ہے۔ برصغیر میں تقریباً گیارہ کروڑ لوگ اردو بولتے ہیں ۔ یہ اُتر پریش میں پیدا ہوئی اور مغل سلطنت کے دوران اس کا فروغ جاری رہا۔اردو زبان ہندی سے ملتی جلتی ہے۔ایسا لگتا ہے کہ دونوں زبانیں ایک ہی ہیں ۔اردو اور ہندی بولنے والوں کی مشترکہ تعداد کے اعتبار سے یہ دنیا کی چوتھی بڑی زبان ہے۔

دوسری زبانوں کی طرح اردو زبان بھی متعدد سابقہ لسانی امتزاج کے طفیل عالم وجود میں آئی ہے۔اس کی تشکیل میں جہاں عربی، فارسی، ترکی اور سنسکرت جیسی بالیدہ زبانوں کی شرکت رہی ہے وہیں کھڑی بولی، برج بھاشا، قنوجی، پنجابی ، بنگلہ اور دوسری مقامی بولیوں کی شرکت بھی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اردو زبان ہندوستان کی سرزمین میں ایک نمائندہ زبان کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئی جو مختلف مقامی بولیوں اور رابطے کی دوسری زبانوں کے امتزاج کی وجہ سے ہمارے لئے ایک بہت زیادہ کامیاب اور اظہار ادائیگی کے لحاظ سے زیادہ پرکشش زبان ہے۔یہی وجہ ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے اردو کے اثرات مضبوط تر ہوتے گئے۔حکومت برطانیہ کے ذریعہ لائی گئی انگریزی زبان کے عالمی تسلط کے باوجود ہندوستان میں انگریزی حکومت کے دوران بھی اردو کی ترقی ہوتی گئی۔اس سے پہلے فارسی روایت کو پس پشت ڈال کر اردو زبان ہر دور میں سرفراز ہونے کی کوشش کرتی رہی۔

ہندوستانی سرزمین اس اعتبار سے صد افتخار اور قابل مبارک ہے کہ اس کے وجود کو کئی اکابر بزرگان دین اپنے قدوم سے فیض بخشا ہے جب بھی کسی بزرگ نے یہاں قدم رنجہ فرمایا تو انکی محنتوں و کاوشوں سے کفر و شرک کی گندگی و آلودگی دور ہوتی چلی گئی ، اور ایمانی و اسلامی روشنی ہر سو عام ہوتی رہی۔ بہت سے اولیائے کرام اپنے کشف و کرامات اور تصوفانہ کلام سے عوام الناس کو اپنا گرویدہ کر لیا اور خلق خدا کی خدمت کو جاری رکھا۔ ہندوستان میں حکمرانوں سے کئی زیادہ اردو

زبان اگر پھیلی ہے تو وہ صرف صوفیانِ کرام کی بدولت ہی پھیلی ہے۔ مغلیہ سلطنت کے دوران بہت سارے اہل اللہ دہلی کو اپنا مسکن بنالیا اور قران واحادیث پر چلتے ہوئے خلق اللہ کی خدمت کو اولین فرض سمجھا اور ان اہل اللہ کی شہرت اور احترام ہندوستان بھر میں آج تک باقی ہے۔ بقولِ علامہ اقبالؒ

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہٖ
آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

تصوف کے بنیادی جذبہء عشق نے ان کی فکر رسا اور تخیل کی نزاکتوں کو اتنی قوت فراہم کی ہے کہ انھوں نے اپنی فکر اور قوتِ تخیل کو کائنات کی تخلیق اور تخلیقات کی تہہ میں موجیں مارنے والے ازلی عشق کے دریا میں غوطہ زن کر کے ایسے انتہائی دل فریب و بلیغ اشعار ترتیب دیے ہیں کہ قاری کی توجہ ان کے کلام سے ہٹنے کا نام نہیں لیتی۔

روزِ میثاق کے وعدے کو نبھایا ہم نے
جستجو جس کی ہمیں تھی اُسے پا یا ہم نے
نام سے نائب رحمان کے مشہور ہیں ہم
اپنے قدموں پہ فرشتوں کو جھکایا ہم نے

صوفیاء نے اس جذبے کے سوؤں رنگ وروپ اپنے رمضیہ کلام میں اس طرح سے نمایاں کئے ہیں کہ اعلیٰ وادنیٰ سب کو اپنی طرف متوجہ کر لینے والی کشش اور رعنائی پیدا ہوگئی ہے۔ سرور تاجیؒ یوں رقمطراز ہیں

سروؔر خدا گواہ ہے کسی کی خطا نہیں
اپنے کئے کی آپ سزا پا رہا ہوں میں

اس طرح تصوف نے شعرءا کو اپنے خیالات وجذبات اور اپنی اپنی فکر ونظر کے مطابق حیات وکائنات کے مظاہر کو اتنے پہلوؤں سے پیش کرنے کی ترغیب دی ہے کہ ایک طرف قاری یا سامع کے ذہن وفکر کو نئی سمتیں اور نئے نئے ابعاد ملتے گئے اور دوسری طرف زبان وبیان کو ہمہ جہت اسالیب ملتے رہے، بے شمار نئے تلازمات اور نئی علامات وجود میں

آئیں۔

دیکھنا گر ہے خدا کو دل کے اندر دیکھنا
شرط یہ ہے آپ اپنے سے گزر کر دیکھنا
سچ قسم اللہ کی دیدار ہر مومن کو ہے
ساقیِ کوثر کے صدقے روز محشر دیکھنا

☆☆☆

دل میں بسی ہے میری تنویر محمد کی
آنکھوں نے ہے اب لے لی تصویر محمد کی
مرشد نے میرے جب سے پردہ کو اٹھایا ہے
خود پیر میں دیکھی ہے تصویر محمد کی

غرض یہ کہ صوفیائے کرام نے اردو ادب کی ترویج و بقا میں نہایت اہم رول ادا کیا ہے۔ انہوں نے شعر گوئی کی راہوں میں فکر و فلسفہ، تصور و تخیل اور معنی و موضوع کی رنگ برنگی قندیلیں روشن کی ہیں۔ صوفیان کرام اپنے کلام کے وسیلے سے عوام کو نت نئی کیفیتوں اور نزاکتوں سے آشنا کیا ہے اور ان کے آگے معنی و مقاصد کی ایک دنیا آباد کر دی ہے۔

سکوں جہاں نہ ملے کیا وہاں قیام کرے
اگر قیام کرے بھی تو زندگی حرام کرے
اماں نہ خلد میں نہ ہی خیر دوزخ میں
گناہ گارِ محبت کہاں قیام کرے
خدا کے واسطے اے بندۂ خدا اٹھ کر
وہ کام کر زمانہ تجھے سلام کرے

وما علینا الیٰ البلاغ

☆☆☆☆☆

مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ

دسویں صدی ہجری کے ایک باہمت بوریہ نشین درویش بزرگ

از: منصور علی خان سہروردی

مدیر اعلیٰ ہفت روزہ "تسخیر انسانیت" بنگلور

موبائل: 9845658861

ہرزمانے میں ہر صدی میں ایسے اولوالعزم باہمت افراد نظر آئیں گے جنہوں نے جان کی بازی لگا کر سیلابوں کے رخ موڑ دئے، طوفان کے سامنے باڑ لگا دی، فتنوں کا تعاقب کیا اور دین وامت کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا۔ ایسی ہی ایک عظیم ہستی! مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ کی ہے۔

شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ ۱۴ر شوال ۹۷۱ھ جمعہ کی شب سرزمین پنجاب کے ایک قصبہ "سرہند" میں پیدا ہوئے۔ نام احمد تجویز ہوا، نسب ۲۸ واسطوں سے امیر المومنین فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد ماجد مولانا شیخ عبدلاحد علیہ الرحمۃ ظاہری و باطنی کمالات سے مزین، فیوض و برکات کا سرچشمہ تھے، سلسلہ چشتیہ میں بہت بڑے صاحب نسبت اور طریقہ قادریہ میں بھی آپ کو اجازت حاصل تھی۔

حفظ قرآن مجید اور اکثر کتب درسیہ والدہ ماجدہ سے اور کچھ سرہند کے دوسرے علماء سے پڑھیں۔ عام درسیات اور کتب تصوف والد بزرگوار سے حاصل فرمائی۔ المختصر صرف سترہ سال کی عمر میں آپ ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع اور ہادی بن کر اپنے والد صاحب کے سامنے ہی کتب درسیہ کی تعلیم اور طریقہ کی تلقین فرمانے لگے۔ ابتداء آپ نے طریقہ چشتیہ میں والد بزرگوار سے بیعت کی اور اس کا سلوک تمام کیا، پھر طریقہ قادریہ پر راہ روی شروع کی اس کے رہنما اور مرشد بھی والد بزرگوار ہی تھے مگر خرقہ خلافت حضرت شاہ سکندر نبیرہ حضرت شاہ کمال صاحب کیتھلیؒ سے حاصل ہوا۔ اسی زمانے میں سلسلہ کبرویہ کے مشہور ولی اللہ حضرت مولانا یعقوب صرفیؒ سے طریقہ کبرویہ بھی حاصل کیا۔ اور خواجہ باقی باللہؒ سے سلسلہ نقشبندیہ میں بھی آپ کو بیعت حاصل ہے۔

آپ نہایت حلیم، کریم النفس، مدبر، ذہین، ذکی، کلام نہایت شیریں اور شائستہ وشستہ، طبیعت نہایت غیور اور خوددار، استغناء کی یہ حالت کے باوجود کہ جہانگیر جیسا بادشاہ غلام بن گیا تھا، مگر کبھی کوئی مستقل ذریعۂ آمدنی کا پیدا ہوا اور نہ پیدا کرنے کا خیال فرمایا۔

جس کے لئے دنیا نے صرف مرشد یا قطب عالم پر قناعت نہ کی ہو بلکہ ''مجدد'' کا خطاب دیا ہو اور پھر مجدد بھی ایک صدی کا نہیں بلکہ پورے ہزارہ کا مجدد تسلیم کیا ہو، اس کی عبادت میں کثرت ایک بدیہی چیز ہے۔ ہاں نوافل میں جن چیزوں کا خاص طور پر لحاظ کیا جاتا تھا ان کا بیان غیر موزوں نہ ہوگا، ابتداء میں نفل نمازوں میں سورہ یٰس پڑھا کرتے تھے جس کی تعداد ۸۰ تک پہنچی ہے مگر اخر میں ختم قرآن معمول ہو گیا تھا۔ جو دعائیں خاص خاص اوقات کے لئے احادیث میں وارد ہوئی ہیں، ان دعاؤں کا التزام گویا فطری عمل ہو گیا تھا، نصف شب پر تہجد کے لئے اٹھنے کا معمول تھا اور ہر دو رکعت کے بعد توبہ استغفار، درود شریف اور دعاؤں کے بعد مراقبہ فرماتے تھے، یہ سلسلہ فجر تک قائم رہتا تھا، فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کے بعد اشراق تک اپنے متوسلین کے ساتھ مراقبہ میں بیٹھتے تھے، اشراق کے بعد دیگر مشاغل میں مصروف ہوتے، نمازِ چاشت کے بعد کچھ غذا تناول فرماتے، جو فقراء حاضر خانقاہ ہوتے وہ بھی دسترخوان پر حاضر ہوتے یا ان کو کھانا تقسیم کر دیا جاتا، کھانے کے بعد قیلولہ فرماتے پھر زوال کے بعد سنتیں اور اس کے بعد ظہر کی سنتیں اور فرض وغیرہ سے فراغت پا کر متوسلین باریاب ہوتے اور فیوض و برکات سے استفادہ کرتے، یہ سلسلہ نماز عصر تک جاری رہتا، اذان عصر کے بعد تحیۃ الوضوء اور عصر کے بعد نمازِ مغرب اور عشاء کے بعد آرام فرماتے۔ رات دن کے نوافل میں ایک قرآن شریف ختم کر لیا جاتا، اسی اثناء میں تصانیف، مکاتیب، اور درس وتدریس، وعظ وتلقین کا سلسلہ جاری رہتا، سفر میں بھی معمولات پر پابندی کی کوشش کی جاتی۔

دسویں صدی ہجری میں اکبر بادشاہ کا دین الٰہی کے قیام کا فتنہ یقیناً ایک عظیم فتنہ تھا اور کتنا باہمت تھا وہ بوریہ نشین درویش جو اپنی جان کی بازی لگا کر سدّ سکندری بن کر کھڑا ہو گیا، اور ایسے مطلق العنان بادشاہ کے مقابلہ میں اس فقیر بے نوا کو کامیابی ملی، طوفان کے رخ پھیرے، سیلاب تھمے، انسانیت نے سکون کا سانس لیا۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی قربانیوں کے نتیجہ میں دنیا نے اکبر کے بعد جہانگیر اور پھر شاہ جہاں جیسا عادل بادشاہ اور اس کے بعد اورنگ زیب عالمگیر جیسا درویش صفت بادشاہ بھی دیکھا جس نے حکومت وسلطنت کو خلافت راشدہ کے رنگ میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش کی۔

حضرت مجدد صاحب وفات سے چند ماہ پہلے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنی عمر تریسٹھ برس کی معلوم ہوتی ہے، اتباع سنت کا شوق جس کو درجۂ فنا تک پہنچا چکا ہو، کیا عجیب ہے غیر اختیاری امور میں بھی اس کو مطابقت سنت کی توفیق نصیب ہو۔ اپنی عمر کے آخری شعبان میں حسب معمول پندرھویں شب کو عبادت کے لئے خلوت خانہ میں تشریف لے گئے تو بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ معلوم نہیں آج کس کس کا نام دفتر ہستی سے کاٹا گیا، یہ سن کر حضرت نے فرمایا تم تو بطور شک کہہ رہی ہو، کیا حال ہوگا اس شخص کا جس نے خود اپنی آنکھ سے یہ دیکھا ہو کہ اس کا نام دفتر ہستی سے محو کیا گیا۔ اس کے بعد ارشاد و ہدایت کا سب کام صاحبزادوں کے سپرد کر دیا اور اپنا تمام وقت قرآن مجید کی تلاوت اور افکار و اشغال طریقت میں صرف فرمانے لگے۔ سوا نماز کے خلوت سے باہر تشریف نہ لاتے تھے۔ نفلی روزوں اور صدقات و خیرات کی بھی اس زمانے میں بہت کثرت فرمائی۔ ۲۷ صفر ۱۰۳۴ھ کو آپ کا وصال ہوا، جب غسل کے لئے لایا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ نماز کے طریقہ پر ہاتھ باندھے ہوئے بائیں ہاتھ کی کلائی پر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیاں سے حلقہ کئے ہوئے ہیں۔ مغدوم زادوں نے انتقال کے بعد ہاتھ پھیلا دئے، لیکن غسل کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں دست مبارک پہلی ہئیت کے مطابق حالت نماز کی طرح بندھ گئے اور یہ حالت آخر تک قائم رہی، دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ تبسم فرما رہے ہیں۔ ہاتھوں کو کتنا ہی الگ کیا جاتا وہ نماز کی کیفیت میں ایک دوسرے پر خود بخود آ جاتے۔ تجہیز و تکفین کا سامان سب سنت کے مطابق کیا گیا، فرزند کلاں خواجہ محمد سعید نے نماز جنازہ کی امامت کی اور جسد مبارک کو آخری آرامگاہ میں پہونچا دیا گیا، اور اپنے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد صادقؒ کی قبر مبارک کے سامنے خاص شہر سرہند میں مدفون ہوئے۔ آج بھی ان کے آستانہ میں فیوض و برکات کا سلسلہ جاری ہے۔ دور دراز سے آنے والے زائرین کے لئے قیام وطعام کا معقول انتظام فی سبیل اللہ کیا جاتا ہے۔ ہر سال ۲۶؍صفر بعد نمازِ عشاء میلاد شریف منایا جاتا ہے، ۲۷؍صفر بعد نمازِ مغرب قل شریف اور ۲۸؍صفر بعد نماز فجر صندل شریف کی کاروائی ہوتی ہے۔

پیش کش: الحاج سید نذیر احمد قادری

سابق مینیجر سنی جامع مسجد بارلین و درگاہ حضرت خواجہ نظر اولیاء، میسور روڈ بنگلور

موبائل: 9342358997 / 9742786264

شہید کی والدہ

از: حافظ محمد خواجہ بندہ نواز لطیفی، گنتکل
مدرس مدرسہ ستاریہ کونا کنڈلا، وجرا کرور منڈل
موبائل 09949151259

حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی تھے۔ سیرت نگاروں نے ان کا تذکرہ بدر کے شہداء میں کیا ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے جب لوگوں کو دعوت جہاد دی اور ان سے کفر کے مقابلہ کے لئے نکلنے کو کہا تو حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے پاس آئے والدہ نے اجازت دے دی اور وہ چلے گئے۔ جب مسلمان بدر کے مقام پر پہنچے تو کنوئیں کے پاس پڑاوڈالا ادھر قریش بھی اپنے لشکر کے ساتھ وارد ہوئے۔ اور پھر یوم الفرقان آ گیا، حق اور باطن کے درمیان فیصلہ کا دن، خود رسولِ اعظم ﷺ نے مسلمانوں کے لشکر کی صف بندی فرمائی، لڑائی شروع ہونے سے ذرا قبل حضرت حارثہ کو پیاس محسوس ہوئی اور انہوں نے کنوئیں کا رخ کیا وہاں پہنچ کر کنوئیں سے پانی نکالا اپنی پیاس بجھانا ہی چاہتے تھے کہ کنوئیں کی حفاظت پر مامور انصار صحابی یہ سمجھا کہ کوئی دشمن کا آدمی ہے جو کنوئیں میں زہر ملانا چاہتا ہے یا مسلمانوں کو ایذا پہنچانا چاہتا ہے انہوں تیر کمان میں رکھا اور پوری قوت سے حضرت حارثہ کی طرف پھینکا۔ تیر سیدھا ان کے حلق میں جالگا۔ حارثہ رضی اللہ عنہ نے چیخ ماری اور زمین پر گر پڑے۔ مسلمانوں نے انہیں دشمن کا آدمی سمجھا کسی نے ان کی طرف توجہ نہ دی۔ حارثہ نے تیر نکالنے کی کوشش کی مگر ان کی اجل آ چکی تھی۔ خون کا فوارہ بہہ رہا تھا اور اسی حالت میں وہ اپنے رب کے پاس چلے گئے۔ جب ان کی موت واقع ہوگئی تو کنوئیں پر مامور محافظ صحابی آگے بڑھے اور اپنے تیر کا شکار ایک مسلمان کو دیکھ کر سخت حیران و پریشان ہوئے کہ یہ کیا ہوا۔ میں نے ایک مسلمان کو قتل کیا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ، میں نے انہیں دشمن کا آدمی سمجھا تھا۔

نبی کریم ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے صورت حال دیکھ کر تیر مارنے والے صحابی کو معاف کر دیا کہ ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ اپنے بیٹے کی موت کی خبر سن کر وہ خاتون بے اختیار کہنے لگی الحمدللہ میرا بیٹا شہید ہو گیا۔ تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حارثہ کو کافروں نے قتل نہیں کیا۔ دراصل تمہارا بیٹا معرکہ شروع ہونے سے پہلے ہی قتل

ہو گیا تھا اور انہیں قتل کرنے والا ابھی ایک مسلمان ہے۔ تمہارے بیٹے نے معرکہ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اُمِ حارثہ نے کہا کہ تمہارا مطلب یہ ہے کہ میرا شہید نہیں ہے۔ صحابی نے کہا وہ شہید تو نہیں ہے مگر ہو سکتا ہے اللہ عزوجل اپنے فضل و کرم سے انہیں جنت نصیب کر دے۔ اس بوڑھی ماں نے جب سارا قصہ سنا تو مضطرب اور بے چین ہو کر کہنے لگی۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تمام کائنات کے امام محمد رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں؟ صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا وہ دیکھو اللہ کے رسول رحمت عالم ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ وہ دوڑتی ہوئی آگے بڑھی، آنکھوں سے آنسو جاری، غم و الم کا پہاڑ آ پڑا کہ جوان اکلوتا بیٹا شہید نہیں ہوا۔ رحمتِ عالم مشفق اعظم ﷺ نے دیکھا ایک خاتون آ رہی ہے، رک گئے۔ تو بوڑھی خاتون پاس آئی۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا کون؟۔ کہا: اُمِ حارثہ رضی اللہ عنہا، مشفقِ اعظم ﷺ نے فرمایا اُمِ حارثہ کیا چاہتی ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو خوب معلوم ہے کہ مجھے اپنے بیٹے حارثہ سے کتنی محبت تھی سارا مدینہ میری محبت سے واقف ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرا بیٹا قتل ہو گیا ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ مجھے بتائیے کہ میرا لختِ جگر کہاں ہے؟ اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر و شکر کروں، اور اگر وہ جنت میں نہیں ہے تو پھر مجھے اجازت دیں کہ میں اُس کا نوحہ کروں کہ میں اتنا روؤں کہ اس سے پہلے کسی ماں نے نہ رویا ہو حتیٰ کہ مجھے قرار آ جائے۔ اُمِ حارثہ رضی اللہ عنہا نہایت اضطراب کے عالم میں کھڑی نتیجہ کا انتظار کر رہی ہے، نہ جانے آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں، قدموں میں لرزش ہے حلق خشک ہو گیا ہے، چہرہ پر آنسو ٹھہر گئے ہیں حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی ہے کہ ابھی وہ زبان میں حرکت آنے والی ہے، جس سے صرف سچ نکلتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اُمِ حارثہ تم ایک جنت کی بات کرتی ہو، اللہ رب العزت نے انہیں بہت ساری جنتوں کا مالک بنا دیا ہے۔ خوش ہو جاؤ کہ تمہارا بیٹا جنت الفردوس میں پہنچ گیا ہے۔ اُمِ حارثہ نے جب آقائے کریم ﷺ سے یہ خوشخبری سنی تو چہرہ پر تازگی آ گئی اور آنسو رک گئے۔ چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا کہ اے اللہ تیرا شکر ہے میں شہید کی ماں بن گئی۔

(بخاری شریف حدیث نمبر ۳۹۸۲)

طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(خشار، کدو، پیاز، مسکہ)

از: ڈاکٹر نعمان باشاہ قریشی، بی یو ایم ایس
ایم اے، ادیب فاضل مدراس یونیورسٹی

انسان کی زندگی میں تندرستی اور بیماری دونوں بھی آتی جاتی رہتی ہیں۔ انسان کو تندرستی کے زمانے کی قدر کرنی چاہئے اور جو بھی منصوبے ہوں، ان کی تکمیل صحت کے دور ہی میں کر لینی چاہئے اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیماری آنے سے پہلے تندرستی کو غنیمت اور نعمت جانو۔ انسان کے کھانے پینے میں بے اعتدالی اور زیادتی کی وجہ سے بیماری آجاتی ہے اور اس بیماری کو ختم کرنے کی طاقت اللہ کی جانب سے بدن میں رہتی ہے، وہی طاقت بدن کو صحت بخشتی ہے اور کبھی وہی طاقت کمزور پڑ جانے سے بدن کو صحت دینے سے قاصر رہ جاتی ہے۔

ایسے موقع پر دوا کی سخت ضرورت ہوتی ہے جس سے بدن کو صحت ملتی ہے اور آدمی تندرست ہو جاتا ہے، کبھی انسان موسم کی تبدیلی سردی و گرمی اور آب و ہوا کی تبدیلی اور فضا میں گندگی کی وجہ سے بیمار ہو جاتا ہے اور کبھی مریضوں کی بعض بیماریوں سے پھیلنے والے جراثیم وغیرہ کی وجہ سے صحت مند آدمی بھی بیمار ہو جاتا ہے، ایسی معتدی بیماریوں سے احتیاط اور حفاظت ایک ضروری چیز ہے جس کے لئے ڈاکٹرون کی ہدایتیں اور تدبیریں بہت مفید ہوتی ہیں، ایسی صورت میں احتیاط و پرہیز اور تدبیر کی طرف توجہ نہ کرنے سے بھی آدمی بیمار ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی اسی بیماری سے آدمی مر بھی جاتا ہے۔ غرض آدمی کے بیمار ہونے کے بہت سارے ظاہری اور باطنی اسباب ہوتے ہیں لیکن صحت ہو یا بیماری دونوں کو اللہ کی طرف سے سمجھنا چاہئے اور بیماری کا علاج کرنا چاہئے اور صحت کو باقی رکھنے کی جو مفید تدبیریں اور کوششیں ہوتی ہیں ان سب کو اختیار کرنا چاہئے۔ پرانے زمانے میں اکثر لوگ بیماریوں کا علاج کرنے کی طرف زیادہ دھیان نہیں دیتے تھے ایسے ہی چھوڑ دیتے تھے، یہی بیماریاں کئی بیماریوں کے پیدا ہونے کا سبب بن جاتی تھیں اور لوگوں کی موت کا سبب بھی ہو جاتی تھیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اسی طرح کی بات تھی اس وقت بھی کچھ لوگ بیماریوں کے علاج کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو علاج کرانے کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ ایک صحابی

حضرت اسامہ بن شریک فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ تم اپنی بیماریوں کا علاج کیا کرو تو بعض نادان آدمیوں کو بڑا تعجب لگا، کچھ دیہاتی لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا ہم بیماری میں علاج کریں؟ آپؐ نے جواب دیا یا عباد الله تداووا، اے اللہ کے بندو علاج ضرور کرو، اللہ نے جو بھی بیماری پیدا کی ہے اس کے لئے شفا بھی رکھی ہے۔ ما انزل الله داء الا انزل الله شفاء۔ اللہ نے جو بیماری بھی پیدا کی ہے اس کے لئے شفاء بھی پیدا کی ہے۔ اور آپؐ نے لوگوں کو یہ بھی بتلایا کہ ہر بیماری کی دوا موجود ہے۔

بیماری کی پہچان کرنا اور دوا کی شناخت کرنا یہ کام اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اوپر چھوڑ دیا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں نئی نئی بیماریوں کی شناخت ہو رہی ہے اور نئی نئی دوائیں بھی سامنے آ رہی ہیں اور نئے نئے علاج کے طریقے بھی سامنے آ رہے ہیں، اور یہ سب ڈاکٹروں اور حکیموں کی تشخیص اور تجویز کا نتیجہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ دین کا علم اور بدن کا علم دونوں حاصل کریں دوسرے لفظوں میں دینی و روحانی علم کے ساتھ مادی و سائنسی علم بھی سیکھتے رہیں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدن کا علم حاصل کرنے میں کمال اور مہارت پیدا کرنے کی تاکید فرمائی، کیونکہ جو شخص بھی مہارت اور کمال کے بغیر علاج کرے گا تو وہ انسان کی زندگی سے کھیل رہا ہے ایسے آدمی کو آپؐ نے سزا دینے کی بات کہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ساتھی بیمار ہوئے تو آپ نے ان کے گھر والوں سے فرمایا ان کا علاج ماہر طبیب کے ذریعہ کرو۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امراض کے ماہر اور خصوصی طبیب (اکسپٹ اور اسپلسٹ) سے علاج کرانا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں علاج کے مختلف طریقے رائج تھے اور دوائیں بھی مختلف تھیں۔ آپ نے بعض طریقوں کو پسند کیا اور بعض طریقوں کو ناپسند کیا۔ آپ کی ذات اقدس سے ایک مستقل طب وجود میں آئی اور آپ نے کھانے پینے کی چیزوں کو دوا کی طور پر استعمال کرنے کی ہدایت دی اور یہ بھی بتلایا ہے کہ کھانے پینے کی کن کن چیزوں میں کیا کیا فائدے ہیں اور ان سے کون کونسی بیماریوں کا علاج ہوسکتا ہے۔ اس طرح آپ کے نام مبارک سے ایک مستقل ''طب نبوی'' یعنی نبوی پیت وجود میں آ گئی یہاں چند چیزوں کے فائدے طب نبوی کی روشنی میں پیش خدمت ہے۔

خشار (ککڑی) Cucumber

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کھجوروں کے ساتھ کھیرے تناول فرما رہے تھے (سنن ابن داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، صحیح بخاری) مذکورہ حدیث کے مدنظر محدثین کرام اور اطباء نے کھیرے پر سیر حاصل تحقیقات انجام دی ہیں۔

کھیرے میں مختلف حیاتین کے علاوہ چوں کہ فولیٹ، کیلشیم، پوٹاشیم وغیرہ بھی پائے جاتے ہیں، لہذا اس کے رس کو گاجر کے رس میں ملا کر پینے سے خون میں یورک ترشے کی سطحیں کم ہو جاتی ہیں۔ اس کے نتیجہ میں وجع المفاصل اور گھٹیا کی شکایت میں کمی آتی ہے جسم میں موجود ایک غدود جسے لبلبہ کہتے ہیں اگر وہ مناسب مقدار میں اپنا ہارمون یعنی انسولین بنانے سے قاصر رہتا ہے تو ذیابطیس کی بیماری لاحق ہوتی ہے۔ کھیرے میں ایک ایسا مرکب پایا جاتا ہے جو لبلبے کے خلیوں کو انسولین بنانے میں معاون بنتا ہے اس طرح بالواسطہ طور پر کھیرے کے استعمال سے ذیابطیس کی بیماری دور رہتی ہے اور ذیابطیس کے مریضوں کے لئے اس کا رس مفید ہوتا ہے۔

کھیرے میں پائے جانے والے اسٹیرالرل کبات خون میں خراب قسم کے کولیسٹرال کی مقدار کم کرتے ہیں اس سے دل کے مرض کے لاحق ہونے کے خدشے کم ہو جاتے ہیں۔ کھیرے میں سلیکا کے علاوہ گندھک (سلفر) بھی پایا جاتا ہے، اس کی وجہ سے اس کا باقاعدہ استعمال بالوں کی صحت کیلئے بھی بہت مفید ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں بالوں کی اچھی خاصی صحت فراہم کرنے کے لئے کھیرے کے رس میں گاجر اور کاہو (Lettuce) کے رس ملا کر پلایا جاتا ہے (کاہو کے پتے سلاد کے طور پر کچے کھائے جاتے ہیں، بازار میں یہ Lettuce کے نام سے ملتے ہیں)

کھیرے میں موجود رس پیشاب کو صاف لاتا ہے، پیشاب کھل کر آنے سے جسم سے زہریلے مادے نکل جاتے ہیں اسکے علاوہ کھیرے کو باقاعدہ استعمال کرنے سے مثانے اور گردوں کی پتھری حل ہو کر نکلنے لگتی ہے۔ کھیرا جسمانی وزن کو کم کرنے میں بھی معاون بنتا ہے اس خاندان کے دوسرے پھل اور ترکاریوں کی طرح کھیرا جسمانی وزن کو کم کرتا ہے ایسے دوسرے پھلوں میں شامل ہیں ''تربوز'' کدو وغیرہ

کھیرے میں تین اہم قسم کے لگنن مرکبات پائے جاتے ہیں۔ تحقیق سے ثابت ہے کہ یہ مرکبات جسم میں مختلف قسم کے کینسروں کو پنپنے نہیں دیتے، خاص طور پر یہ خواتین میں سینے، رحم اور بچہ دانی کے کینسر کے علاوہ مردوں میں پراسٹیٹ کینسر کو روکتے ہیں۔ کھیرے کو گرم راکھ میں دیر تک رکھ کر اس کا پانی نکال کر بخار کے مریض کو پلانا مفید ہوتا ہے یہ پانی ہلکے

قبض کو بھی دور کر سکتا ہے تاہم اگر قبض سخت قسم کی ہو تو یہ کام نہیں کرتا۔

کھیرے کے بیج دوا کے طور پر یونانی طرز علاج میں بہت زیادہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہ بیج پیشاب آور ہونے کے علاوہ پیشاب کی نالی کی جلن کو دور کرتے ہیں۔ جگر اور تلی کے ورم کو دور کرتے ہیں۔ سوزش کے سبب پیدا ہونے والی کھانسی میں مفید ہیں، یہ پھیپھڑوں کے زخموں کو مندمل کر سکتے ہیں اور پھیپھڑوں کی سوجن دور کرتے ہیں۔ (احمد ٹائمز حیدر آباد، جون 2016ء)

کدو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مرغوب اور پسندیدہ غذا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں رایت رسول الله یتتبع فی الصفحة الدباء فلا ازال احبه۔ (ترمذی) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ برتن میں سے کدو کی قاشوں اور شاخوں کو چن چن کر لے رہے تھے اور بڑی رغبت اور شوق کے ساتھ کھائے جا رہے تھے، اس منظر کو دیکھنے کے بعد کدو میری محبوب غذا بن گئی۔

اطباء کے نزدیک کدو دوسرے درجہ میں سرد اور تر ہے اور ایک قول کے مطابق تیسرے درجہ میں سرد ہے اسکے کھانے سے پیشاب صاف آتا ہے اور اس کی رکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ اور جس کے پیٹ میں رطوبت زیادہ ہو، اسکے لئے ملین ہے اور جس کے انتڑیوں اور رگوں میں غلیظ مواد جمع ہو اسکے استعمال سے خارج ہو جاتا ہے۔ گرم بخاروں میں کدو کھانا مفید ہے۔ اس سے دماغ کی خشکی دور ہوتی ہے اور دماغ کی پراگندگی کو دور کرتا ہے اور بے خوابی کی شکایت دور کرتا ہے۔ دردسر جو گرمی سے ہو اسکو دور کرتا ہے۔ (مرض اور مریض احادیث کی روشنی میں صفحہ 80)

پیاز Onion

ابوداؤدؒ نے اپنی سنن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ سے پیاز کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری کھانا جو تناول فرمایا تھا اس میں پیاز موجود تھی۔

پیاز میں ایسے مرکبات ہوتے ہیں جو پانی میں پائے جانے والے نقصان دہ اجزاء کے ضرر سے بچاتے ہیں۔ پیاز کی بو زہریلی ہواؤں کے خراب اثرات کو دفع کرتی ہے، یہ شہوت کو بڑھاتی اور قوت باہ میں تحریک پیدا کرتی ہے، معدے کو

قوت بخشتی ہے۔پیاز کے باقاعدہ استعمال سے منی زیادہ پیدا ہوتی ہے، یہ جلد کی رنگت کونکھارتی ہے اور بلغم کو کم کرتی ہے ۔پیاز کے بیج استعمال کرنے سے بدن کے سفید داغ ختم ہوسکتے ہیں۔اگر بال جھڑرہے ہیں تو پیاز کے رس کو رگڑنے سے بال جھڑنا رک جاتے ہیں،اگر پیاز کونمک کے ساتھ استعمال کریں تو مسے ختم ہوسکتے ہیں۔پیاز کا رس ناک میں چڑھانے سے دماغ صاف ہوتا ہے اور کان میں ٹپکانے سے سنائی دینے لگتا ہے،کان بہنے کی شکایت بھی دفع ہوسکتی ہے۔اگر آنکھ سے پانی بہتا ہوتو اس رس کو آنکھوں میں سرمہ کی سلائی سے لگائیں تو پانی بہنا رک جاتا ہے۔

پیاز کو پکا کر کھائیں تو اس سے خاص غذائیت ملتی ہے۔یرقان،کھانسی اور سینے کی خشکی کم ہوتی ہے،یہ پیشاب آور ہے اجابت کو نرم کرتی ہے لیکن یاد رہے کہ بہت زیادہ پیاز کے استعمال سے بعض نقصانات بھی ہوتے ہیں جیسے آدھے سر کا درد،یا سر کا درد ہونا،ریاح زیادہ پیدا ہوتی ہے اور آنکھوں میں دھندلا پن آسکتا ہے۔مزید یہ کہ پیاز سے بھولنے کی شکایت لاحق ہوسکتی ہے اور عقل میں فتور آسکتا ہے۔منہ کے مزہ کو بگاڑتی اور منہ میں بدبو پیدا کرتی ہے۔البتہ پکی ہوئی پیاز میں یہ نقصانات کم ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے کچے پیاز اور لہسن کی جگہ ان کو پکا کر استعمال فرمایا۔(احمد ٹائمز،حیدرآباد،صفحہ ۲۵،2016ء)

"مسکہ"

کہا جاتا ہے کہ مسکہ زمانہ نبوت میں مستعمل تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا ہے۔حضرت بشرؓ کے دو فرزند حضرت عطیہ اور حضرت عبداللہ فرماتے ہیں ہمارے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے آپؐ کی خدمت میں مسکہ اور کھجور پیش کیا۔کیونکہ آپؐ مسکہ اور کھجور پسند فرماتے تھے اس حدیث کی روایت امام ابوداؤد نے کی ہے۔

مسکہ کی خاصیت درجۂ اول میں گرم اور تر ہے بدن کو موٹا کرتا ہے اور بدن میں موجود فاسد مادہ کو پختہ کر کے اخراج کے قابل بنادیتا ہے دردوں کو تسکین دیتا ہے،آواز کھولتا ہے جسم کے اندرونی اور بیرونی ورموں کو دور کرتا ہے۔

(۱) سرفہ حار کو دفع کرتا ہے بادام اور شکر کے ساتھ کھانے سے (۲) ذات الجنب (۳) ذات الریہ (۴) اور نفث الدم، کے لئے فائدہ دیتا ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھجور اور مسکہ کو ملا کر تناول فرماتے تھے تاکہ مسکہ رطوبت وتری اور کھجور کی خشکی وگرمی دونوں میں اعتدال آجائے۔(مرض اور مریض احادیث کی روشنی میں صفحہ 81)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنی بیماریوں میں طب نبویؐ سے علاج کی توفیق عطا کرے۔آمین

ومآ ارسلنک الا رحمۃ للعالمین

اے محبوب ﷺ ہم نے آپ کو دونوں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا

از: سید جیلانی شاہ حسینی نظامی المتخلص سادات حسینی

ادیب کامل، ادھونی

ایک کمزور بصارت والی ضعیف العمر خاتون کسی گاؤں سے مدینہ طیبہ کے بازار میں سودا لینے آئی تھی اُس کی گھٹری زیادہ وزنی ہوگئی وہ ایک گلی سے گزرتے ہوئے تلملا گئی۔ عین اُس وقت ایک راہ گیر ادھر سے گزرا اور کہنے لگا اے ضعیفہ لا اپنا بوجھ مجھے دے دے بتلا کدھر جانا ہے میں پہنچا دوں۔ ضعیفہ نے کہا ہاں میاں میں قریب کے گاؤں میں جاؤں گی تمہیں کچھ مزدوری بھی دلوا دوں گی۔ راہ گیر نے کہا اُجرت کی کوئی ضرورت نہیں اب آگے آگے وہ بوڑھیا بھی اُس کے پیچھے قلی اور مزدور کی طرح کاندھے پر بھاری بوجھ اٹھائے وہ راہ گیر جا رہا تھا۔ جب گاؤں کے قریب یہ دونوں پہنچے تو لوگ یہ کہتے ہوئے دوڑے السلام علیکم یارسول اللہ، الصلوۃ السلام علیک یا نبی اللہ ﷺ۔ ضعیفہ نے پہچانا نہ تھا یہ آواز سنتے ہی قدموں پر گر گئی۔ یارسول اللہ بڑی بے ادبی ہوئی خصور معاف کر دیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے ضعیفہ ذرا بھی غم نہ کھا میں تو بوجھ اٹھانے والا ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ تھے آپ کے اور ہمارے آقا و مولیٰ غمخواروں کے غمخوار، بے سہاروں کے سہارے، بیواؤں کے یار و مددگار، یتیموں کے ملجا، حضرت محمد مصطفیٰ رسولِ خدا رحمتِ عالم ﷺ، جن کو اللہ رب العزت نے سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، جو دنیا کو ظلم وستم اور جور واستبداد سے پاک کرنے کمزور وضعیف اور مظلوم کی حمایت کرنے بیواؤں یتیموں اور بے کسوں کی خبر لینے کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔

اس لئے تشریف لائے کہ بندوں کو اپنے خالق کی نافرمانی وسرکشی سے باز رکھیں، اور پکار پکار کر فرمایا کہ اے لوگوں یہ سارہ کرۂ ارض ایک ہی گھر ہے اور اس پر بسنے والی ساری آبادی ایک ہی برادری ہے تم سب ایک ماں باپ حضرت آدم و حوا کی اولاد ہو۔ رنگ ونسل زبان یا جغرافیائی حد بندیاں محض باہمی پہچان کے لئے ہیں انہی باہمی تغافر وتفوق اور باہمی عداوت ومنافرت کا ذریعہ نہ بناؤ، اونچ نیچ کا فرق متادو۔ اے اللہ کے بندوں سب آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو، پریم اور محبت کو اپنا نصب العین بناؤ، انسان بڑا چھوٹا اپنے کردار سے بنتا ہے۔ پس نیک عمل کرو اپنے ہر کام میں اسی حاضر وناظر خدائے تعالیٰ کے آگے اپنے آپ کو جوابدہ سمجھو جس سے چھپ کر تم کوئی گناہ نہیں کرسکتے اور جس کی گرفت سے بھاگ کر تم کہیں نہیں جاسکتے۔ اُس رحمت للعالمین پیغمبر دو عالم رسالت مآب ﷺ نے فرمایا، اے لوگوں تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

پھرزبانِ نبوت سے ارشاد ہوا من لا یرحم ولا یرحم جو اللہ کی مخلوق پر رحم نہ کرے تو اللہ بھی اُس پر رحم نہ فرمائے گا۔ ایک اور جگہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اللہ کے بندوں کو اپنی ذات سے نفع پہنچائے۔ اور سب سے برا وہ شخص ہے جس کی ایزا رسانی سے لوگ خوف کھاتے ہوں۔ دورِ نبوت کا اور مدینہ کی سرزمین کا ایک واقعہ قارئین کے لئے عرض کرتا چلوں کہ ایک بے ماں کی بچی باپ کے جنازہ پر بلک بلک کر روئی اور کہنے لگی میرے باپ اب تو چل بسے اب میری رکھوالی کون کرے گا۔ رحمت عالم ﷺ نے بکمالِ شفقت اُس کے سر پر اپنا دستِ رحمت پھیرا اور زبانِ گوہر بار سے فرمایا اے بچی تیرے باپ کو جہاں جانا تھا جا چکے لیکن کیا تو اس بات کو پسند کرے گی کہ آج سے تیرا باپ میں بن جاؤں اور میری بیٹی فاطمہ تیری بہن بن جائے۔ انصار کی یہ بچی جب یہ کلمات زبانِ رسالت سے سماعت کرتی ہے تو آپ کے قدموں پر گر جاتی ہے اور قدوم مبارک سے لپٹ جاتی ہے اور کہتی ہے اپنے دکھ بھرے اور محبت بھرے لہجہ میں کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان اس سے بڑھ کر میری خوش قسمتی کیا ہوگی ہ سارے نبیوں کا سردار، سارے رسولوں کا امام، تاجدارِ مدینہ میرا باپ ہو اور جنتی عورتوں کی سردار فاطمہ میری بہن ہو۔ روایتوں سے جا بت ہے کہ خاتونِ جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے اپنی چھوٹی بہن کی طرح اس بچی کی پرورش کی اور جب یہ بچی جوان ہوئی تو آپ ہی نے اس کا بیاہ اپنے اہتمام سے کرا دیا۔ یہ ایک نمونہ عملی اُس رحمت عالم ﷺ کا ہے جس نے برسرِ منبر ارشاد فرمایا انا ولی من لا ولی له یعنی جو بے والی و وارث ہو یا جو بھی بے وسیلہ و معذور ہو اُس کی کفالت کی ذمہ داری میرے ذمہ داری میرے سر ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین نے اس ذمہ داری کو کسی دیانت اور کامیابی کے ساتھ پورا کیا۔

حضور ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ اگلی امتوں میں ایک عورت جو بدکار اور عصمت فروش تھی ایک جنگل میں کسی کنوئیں کی طرف گزری دیکھا کہ ایک کتا کنوئیں کے قریب پڑا پیاس کی شدت سے مرا جا رہا ہے، اُس عورت کو کتے پر رحم آ گیا، اپنی چرمی موزے کو اپنی اوڑھنی میں باندھ کر کنوئیں سے پانی نکال نکال کر کتے کو پلانے لگی۔ یہاں تک کہ کتے کی جان بچ گئی اللہ تعالیٰ کو اس عورت کی یہ نیکی اس قدر پسند آئی کہ اُس کے سب گناہوں کو معاف کر دیا وہ نیک چلن ہوگئی اور اللہ نے اُسے جنت عطا فرمائی۔ ایک صحابی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ کیا وحشی جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے کا بھی اجر ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہر تر جگر رکھنے والے یعنی ہر جاندار کے ساتھ نیکی کرنے کا اللہ اجر و انعام عطا فرماتا ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ غصہ کو پی جاؤ اور عفو و درگزر سے کام لو اللہ احسان کرنے والے کو محبوب رکھتا ہے۔ حضور ﷺ کو کیسی کیسی تکلیفیں پہنچائی گئی کونسی ازیت تھی جو نہ دی گئی مگر عفو و کرم کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی سے کوئی بدلہ نہ لیا۔ انتقام تو کجا خندہ پیشانی اور حسن سلوک میں بھی کبھی کوئی فرق نہ آیا۔ گالیوں کا جواب دعاؤں سے دیتے اور برائی کا جواب نیکی سے۔

سب جانتے ہیں کہ ابو جہل حضور ﷺ کا سب سے برا دشمن تھا، اُس نے حضور کو ایزائیں پہنچانے میں کوئی کثر باقی نہ

رکھی تھی۔ایک بار خبر مشہور ہوئی کہ ابوجہل بیمار ہے۔حضور محسن انسانیت ﷺ نے اپنے اُس دشمن کی عیادت ومزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ابوجہل نے یہ سازش کر رکھی تھی کہ اپنے گھر کے صحن میں ایک کنؤاں کھدواکرا سے کچھ اس طرح پاٹ دیا تھا کہ بظاہر پتہ نہ چلے اور قدم رکھتے ہی آدمی اندر گر جائے۔ہر چار پتھروں کے ڈھیر رکھ دئے تھے۔لوگ متعین تھے کہ حضور ﷺ جوں ہی گڑھے میں گریں اسے پتھروں سے بھر دیا جائے۔پیغمبر اسلام ﷺ نے قریب پہنچتے ہی اس سازش کو تاڑلیا اور واپس چلے۔ابوجہل نے آگے بڑھ کر پکارا کہ کیوں واپس جاتے ہیں آجایئے۔کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ ابوجہل کا پیر غلط پڑ گیا اور خود اس کنؤیں میں گر گیا۔شور ہوا اور لوگ اس کی مدد کو دوڑے۔حضور تاجدارِ مدینہ ﷺ بھی واپس پلٹے اور لوگون نے دیکھا کہ سب سے پہلا ہاتھ جو ابوجہل کو کنؤیں سے باہر نکالنے کے لئے بڑھا وہ محمد عربی سرکارِ رحمت عالم رسالت مآب ﷺ کا ہاتھ تھا۔اسی کے سہارے ابوجہل کنؤین سے باہر نکلا۔دشمنوں کے ساتھ رحم وکرم کی ایک ایسی زندہ مثال ہے، دنیا کا کوئی مذہب یا اُس کے پیروکار ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

عفو کرم اور رحمت ورافت کی بے مثال شرح فتح مکہ کے دن دنیا کی تاریخ میں دیکھی۔اپنے بدترین اور خون کے پیاسے بے رحم دشمنوں پر جب حضور ﷺ نے کامل ومکمل فتح پالی اور عمر بھر کے یہ بے مروت کینہ جو دشمن ہر طرح مغلوب ہو چکے تو منتظر تھے کہ شاید آج ان کی بوٹیاں اڑادی جائیں گی۔لیکن رحمت للعالمین ﷺ انہیں مخاطب کر کے فرمایا لا تثرب علیکم والیوم اے میرے بھائی بندوں آج کے دن تم سے کوئی باز پرس نہیں ہے، جاؤ ہر طرح آزاد ہو، امن وامان سے زندگی گزارو، عفوودرگزر کی یہ نداسن کر سب حیران رہ گئے مگر پھر بھی بعضوں نے کہا ہم مسلمان نہ ہوں گے۔حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ تم پر کوئی زبردستی نہ ہوگی۔

حضور ہم غریبوں کے آقا، یتیموں کے والی، بیکسوں کے یارو مددگا ﷺ کو غریبوں محتاجوں اور مسکینوں سے بے حد محبت تھی، ملک عرب کے کم وبیش پندرہ سومیل لمبے خطۂ ارض پر اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو جانے کے بعد بھی آپ کی فقر وفاقہ مسکینیت کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا۔تاریخ وسیرت مصطفیٰ کے پڑھنے والوں کو کبھی نظر آئے کہ شہنشاہِ دوعالم ﷺ اپنے غلاموں کے ساتھ پھاوڑا ہاتھ میں لئے خندق کھودرہے ہیں، کبھی مسجد بنانے کے لئے اینٹیں ڈھورہے ہیں۔کبھی ایندھن کے لئے جنگل سے لکڑیاں چن کر اپنے گوشِ مبارک پر لئے آرہے ہیں، کبھی بازار سے سوداخرید کر لارہے ہیں۔آپ نے فرمایا اے عائشہ مسکینوں سے محبت کرو کسی سائل کو خالی نہ پھیرو، غریبوں کو اپنے قریب بٹھاؤ تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمھیں قربت عطا فرمائے۔

یہ تھے سیرت محمد ﷺ کے چند پہلو جو قارئین اللطیف کے لئے پیش کئے گئے ہیں۔امید کہ اللہ رب العزت مجھے اپنے حبیب برحق ﷺ کے صدقہ اور میرے اس نیک عمل کو قبول فرمائے اور اس کے صدقہ میری، میرے والدین کی ،اساتذہ کرام کی بلکہ سارے مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔آمین

وما علینا الا البلاغ

تصوف کیا ہے....؟

از: امین اللہ خان قادری، خاکپائے اقطابِ ویلور
فرزند پیرِ طریقت حضرت علامہ مولانا احمد اللہ خان مظہر صدیقی قادریؒ
خلیفہ اعلیٰ حضرت قطب ویلور

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں بنوع نوح انسان بستے ہیں ظاہر بات ہے ہر قسم کی صلاحیتوں والے، مختلف مذاہب والے لوگ مختلف طبقات، اونچ نیچ اور ایک دوسرے کے حریف وغیرہ۔ آپ اپنی ذات کو لے لیں تو بہت سے لوگ آپ سے مالی اعتبار سے علمی اعتبار سے دنیوی اعتبار سے جاہ ومنصب کے اعتبار سے صحت وسلامتی کے اعتبار سے حسن سیرت وصورت کے اعتبار سے ذہنی صلاحیت وقابلیت کے اعتبار سے الغرض ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں آپ سے کم تر بھی بنائے ہیں اور آپ کے برابر بھی بنائے ہیں، آپ سے اعلیٰ بھی بنائے ہیں۔ جب میں پیدا ہوا تھا تو مجھ میں کونسی ایسی ذاتی صلاحیت تھی یا میرا کیا زور تھا، مجھے پیدا کرنے میں سب سے کم تر بنا دیتا مگر تیرا احسان ہے کہ تو نے مجھے عزت بخشی جب ہم ہمارے سے کم تر لوگوں کو دیکھیں تو اللہ کا شکر کا جذبہ دل ودماغ میں پیدا ہوگا۔

اور ہمارے سے اعلیٰ لوگوں کو دیکھ کر اپنے مقدر پر افسوس کرتے ہی نفس میں ناشکری کا جذبہ پیدا ہوگا یہاں سے شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اور انسان کے اندر حسد، بغض، عداوت، تکبر، غرور، حرص جاہ اور مال ودولت کی طمع جنم لیتا ہے اور ایمان کمزور ہونے لگتا ہے اس طرح دل غلیظ رہنے لگتا ہے نفس ناپاک اور باطن تاریک رہتا ہے۔

اس طرح ہر انسان کے اندر حسد، بغض، عداوت، تکبر، غرور، حرص جاہ وحشمت مال ودولت کی طمع ان جیسی ان گنت دیگر روحانی بیماریوں کی موجودگی میں صفائے قلب وباطن کے بغیر عبادتیں بھی ہو رہی ہیں ریاضتیں بھی جاری ہیں اللہ کا ذکر بھی ہو رہا ہے تسبیح واستغفار درود پاک کا ورد اور خدمت دین بھی ہوری ہے۔ من کی صفائی ہی نہ ہوگی تو ہمارے حال کی اصلاح کیونکر ممکن ہوگی، نتیجہ کیا ہوگا۔ اس کی مثال اس طرح ہوگی جس طرح گندگی کے ڈھیر پر گلاب اور عطر کی خوشبوئیں چھڑکتے رہیں اب اندازہ کریں بدبو اور خوشبو مل بھی جائے تو ماحول کتنا معطر ہوگا نئی بدبو تو پھیل سکتی ہے مگر خوشبو کا اٹھنا ناممکن ہے۔

ظاہری اور باطنی زندگی کی صفائی کا نام ہی تصوف ہے، نیکی کا نام تصوف ہے، اخلاق حسنہ کا نام تصوف ہے، اچھی

عادتوں کا نام تصوف ہے، طہارت اور شرافت کا نام تصوف ہے تربیت کا نام تصوف ہے، تصوف کی بنیاد قائم ہے تزکیہ نفس پر۔

روحانیت اور تصوف چند بے معنی رسوم کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل دستور العمل ہے جو انسان کی ظاہری اور باطنی اصلاح پر مشتمل ہے، علم تصوف قال سے نہیں حال سے ہے علم تصوف کرنا ہے کہنا نہیں ہے

انسان مجموعہ ہے ظاہر و باطن کا جب تک دونوں اعتبار سے نشوونما پہلو بہ پہلو جاری نہ رہے ترقی کا دعویٰ غلط ہے۔

تصوف کو شریعت سے وہی تعلق ہے جو جان کو جسم سے ہے، علم و عمل احسان باہم لازم وملزم ہیں جملہ کمالات ظاہری و باطنی کا اصل ہے دل کو ماسوائے اللہ سے پاک رکھنا اور محبوب حقیقی کے سوا کسی کا اپنے دل میں گزر نہ ہونے دینا قد افلح من زکھا - تحقیق فلاح پائی اس نے جس نے تزکیہ نفس کیا و قد خاب من دسھا - اور تحقیق گمراہ ہوا جس نے بگاڑ دیا اپنے نفس کو اور اس کی اصلاح کے لئے ضروری ہے جسم، زبان، خیالات، دل و روح کی صفائی حاصل کرے تمام اچھے لوگ، مذہبی رہنما، اولیاء اللہ، پیر و مشائخ وغیرہ نے تصوف پر عمل کر کے قرب الٰہی حاصل کی ہے

جسم کے میل کچیل کو پانی سے دھو کر صاف کر دیا جائے:

زبان کی صفائی کہ ہمیشہ سچ بولے جو وعدہ کرے اسے پورا کرے کسی کو بُرا نہ کہے کس پر لعن طعن نہ کرے کوئی ایسا کلمہ نہ کہے جس سے کسی دوسرے کی دل آزاری ہو۔

خیالات کی صفائی کہ کسی کو برا نہ سمجھے نہ کسی کے متعلق کوئی بری بات خیال میں لائے اور نہ کسی کو ستائے یا نقصان پہنچانے والی بات خیال میں لائے۔

دل کی صفائی کہ دل کو حسد، بغض، تکبر، نفاق، غرور، حرص، ایذا رسانی کینہ دشمنی سے محفوظ رکھے اور محبت ہمدردی فیض رسائی اور خدمت خلق کے لئے دل کو آمادہ رکھے۔

طبیعت کے مطابق عمل کرنا روح کو تاریکی پیدا کرتا ہے، روح کی صفائی کہ حق تعالیٰ کی محبت سے معمور ہو، کسی دوسرے کی محبت اس پر غالب نہ آئے۔

بعض لوگوں کا تصور یہ بھی ہے کہ تصوف محض کسی سلسلہ خانقاہی سے منسلک ہو کر شریعت کی پابندی سے آزاد ہو جانے کا نام ہے کہ نہ مرشد پر کوئی پابندی ہو اور نہ ہی مرید کسی قسم کی حدود و قیود کا پابند ہو پیر بھی خدا مرید بھی خدا۔ نہ عمل کرنے کی ضرورت، ساتھ ساتھ خانقاہی نظام میں بھی بے پناہ قباحتیں اور خلاف شریعت امور داخل ہو گئے سجادہ نشین کا نسل در نسل

نظام زوال پذیر ہوتا چلا گیا عوام نے تصوف کو لغو، لایعنی، اور مقدس کاروبار تصور کر لیا ہے۔ نام نہاد نابلد دین کے متعلق سر سری معلومات رکھنے والے واعظین ذمہ دار ہیں۔

حضراتِ صوفیائے کرام کے اقوال :

☆ حضرت سید التحرین امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''تصوف اچھے اخلاق کا دوسرا نام ہے جو اچھے اخلاق میں تجھ سے زیادہ ہے وہ تصوف میں زیادہ ہے''۔

☆ حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''تصوف ہر چیز کی حقیقت جاننے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے مایوس ہونے کا نام ہے''۔

☆ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''تصوف یہ ہے کہ تو اپنے نفس کو اللہ کے ساتھ اس طرح چھوڑ دے کہ وہ جو چاہے اس کے ساتھ کرے''۔

☆ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''اللہ کے ساتھ صدق اور اس کے بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا تصوف ہے''۔

☆ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''تصوف اسم نہیں رسم ہے، اسمیں ہمہ گیری ہے ہر شئے کے عرفان سے خالق تک پہنچنے کا راستہ ہے''۔

☆ حضرت ابو الحسن نوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''تصوفِ علم وہ فن کا نام نہیں، مجموعۂ اخلاق کا نام''۔

☆ حضرت خواجہ بہاوالدین نقشبندی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''تصوف یہ ہے کہ اجمالی معاملہ تفصیلی ہو جائے اور استدالی معاملہ کشفی ہو جائے''۔

☆ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''تصوف شریعت پر اخلاص سے عمل کرنے کا نام ہے''۔

☆ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''تصوف کو لفظوں میں سمجھنا اور سمجھانا مشکل ہے۔ منہ سے کہیں شکر تو زباں کو نہیں مزہ، جس نے چکھا زبان پر لذت وہی لیا''۔

دعا ہے کہ پاک پروردگار اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقہ ہم تمام کے قلوب کو منور و مجلیٰ فرمائے آمین بجاہِ سید المرسلین

وما علینا الیٰ البلاغ المبین

رازہی راز

از: علامہ سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی شاہ نوریؒ

مری آنکھوں میں تم ہو دل میں تم ہو جانِ جاں تم ہو
زمین و آسماں تم ہو مکیں ہو خود مکاں تم ہو

تمہیں ہو اب نظر میں اور خارج میں مناظر میں
منور ہو منور ہو ، یہ تنویرِ جہاں تم ہو

تم ہی ہو ہر جگہ اور تم نہیں تو پھر کوئی کیا ہے
بہ صورت خود عیاں تم ہو بہ معنیٰ خود نہاں تم ہو

یہاں اب بات ایسی کچھ سمجھنے کی بھی آتی ہے
مری صورت لئے آئے میں صدقہ جانِ جاں تم ہو

مری سب کامرانی تم مری اب زندگانی تم
مرے اب جسم میں دل میں بسے ہو جانِ جاں تم ہو

رہا اب دو جہاں سے واسطہ کچھ بھی نہیں مجھ کو
تمہیں جب مجھ میں ہو تو کیوں نہ بولوں جانِ جاں تم ہو

نگاہیں صاف اپنی ہیں بنا دل آئینہ خانہ
مکیں دل میں ہو ، آئینہ جہاں دیکھو وہاں تم ہو

ھو معکم کہا پھر بھی کسی کو ہوش کب آیا
وفی انفس کہا پر کوئی کیا سمجھا کہاں تم ہو

ھو الظاہر کہا تو کہدیا قدرت ہی ظاہر ہے
ھو الباطن سے سمجھے ہم عیاں ہیں اور نہاں تم ہو

پتے اُس نے تو اپنے ہر طرح سے سب کو دے ڈالے
ہمیں یہ کہدیا تم کچھ نہیں میں ہوں جہاں تم ہو

کتابُ اللہ رہی موجود اور اسرار سارے تھے
پتہ نوری پیا نے یہ دیا کہ جانِ جاں تم ہو

خدا نے اس کو تیری رہبری کے لئے بھیجا
تو آمر اس پہ قرباں ہو کہ کہدے جانِ جاں تم ہو

پیش کش: مولوی الحاج جمیل احمد شریف لطیفی، نجنگڈھ

تصوف کی دو غزلیں

از: حضرت امیر خسروؒ

نمی دانم چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم
بہ ہر سو "رقص بسمل" بود شب جائیکہ من بودم
سرو قدے سیاہ چشمے بودے ولالہ رخسارے
بہر سو فتنہ دل بود شب جائیکہ من بودم
رقیبان گوش بر آواز و من بودم چناں ترساں
سخن گفتن چہ مشکل بود شب جائیکہ من بودم
خدا خود میرِ مجلس بود اندر "لا مکاں" خسروؔ
محمد شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم

☆☆☆☆☆

مفلسانہ آمدم در کوئے تو "شیٔ للہ" از جمالِ روئے تو
کعبۂ من قبلۂ جان روئے تو سجدہ گاہِ عاشقان ابروئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما آفرین بر دست و بر بازوئے تو
ہرچہ آید دردِ لم غیر تو نیست یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو
تو کجا بہر تماشہ می روی اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
فی الحقیقت "لاؔ" بودے ضامن علی
گفت خسروؔ نکتہ دلجوئے تو

پیش کش : سید محمد باقر قادری، حضرت مکان ویلور

حرمتِ جنابِ رسالت مآب

۱۴ ھ ۳۸

از: متولی امیر خسرو، جالی محلہ بنگلور

محبِ داور شفیعِ محشر قسیمِ کوثر سلام لیلو
جہاں کے افسر خدا کے دلبر رسولِ اطہر سلام لیلو
اے شاہِ ختم النبی تمہیں ہو رموزِ سرِ خفی تمہیں ہو
سبھوں کے اول میں بھی تمہیں ہو تمہیں ہو آخر سلام لیلو
تمہارا ثانی ہوا نہ کوئی شہ دوعالم بنا نہ کوئی
ہے تم سا پیشِ خدا نہ کوئی ہمارے رہبر سلام لیلو
یہ دو جہاں میں جو برتری ہے حصول وہ آپ کو ہوئی ہے
ازل سے خالق کی روشنی ہے ابد کے اختر سلام لیلو
وہاں حبیبِ خدا کہائے یہاں شفیع الوریٰ ہو آئے
خطاب ہر دو میں خوب پائے اے نیک سیر سلام لیلو
جو پوچھے گیسوئے شاہِ امت کہوں میں والیل ہے یہ آیت
نزول والفجر کی حقیقت رُخِ منور سلام لیلو
فراق میں یا شفیع دوراں ہے حال خسرو کا اب پریشاں
ابھی ہو برجِ خوشی پہ تاباں مرا مقدر سلام لیلو

پیشکش :
حسین شریف قادر، جالی محلہ بنگلور
موبائل: 9916777786

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

از: مولوی سید نیاز احمد جمالی آمری
پرنسپال دارالعلوم جمالیہ، چنئی

عشقِ احمد نہیں جس کے دل میں اُسکی قسمت میں جنت نہیں ہے
وہ بھی دل کوئی دل ہے کہ جسمیں میرے آقا کی الفت نہیں ہے

فیض پا کامیابی کی خاطر، سرورِ دو جہاں کے کرم سے
سرخرو وہ نہیں ہو سکے گا جس پہ آقا کی رحمت نہیں ہے

دامنِ مصطفیٰ کو پکڑ کر قلب میں نورِ عرفاں بسالے
رب کو پہچان سکتا نہیں وہ جس کو آقا سے نسبت نہیں ہے

سچ، وفا اور امانت کے جلوے ہیں غلامانِ احمد کے اندر
قرض لے کر دغا دیتے رہنا مومنوں کی یہ خصلت نہیں ہے

اے غلامِ رسولِ مکرم! چھوڑ دے معصیت اور سنبھل جا
بے عمل بد چلن جو رہے گا اُسکو دنیا میں عزت نہیں ہے

دل کی ساری مرادیں ملینگی عرض کر بارگاہِ نبی میں
اپنے سائل کو محروم کرنا مصطفیٰ کی یہ عادت نہیں ہے

زندگی سنتوں سے سجالے عشقِ احمد ترے دل میں ہے گر
سنتِ مصطفیٰ چھوڑ دینا عشق کی یہ علامت نہیں ہے

بندۂ ناتواں کی گزارش تجھ سے ہے میرے رب میرے مالک
دیکھ لوں صورتِ سرورِ دیں اس سے بڑھکر سعادت نہیں ہے

اے نیازیؔ مدینہ چلو تم عشقِ احمد کی دولت کو لیکر
روضۂ سرورِ دیں سے بڑھکر بزمِ عالم میں جنت نہیں ہے

پیش کش: سید بلال احمد شطاری، بڑا مکان، بنگلور

نعتِ پاک حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وسلم

از: محمد یوسف شمیم مرحوم
(نیلور، آندھراپردیش)

نگاہِ لطف یا شاہِ دو عالم یا رسول اللہ .... ''غریبم بے نوائم خاکسارم یا رسول اللہ''

ازل سے ہوں اسیرِ پنجۂ غم یا رسول اللہ .... رحمت کن نظرِ بر حالِ زارم یا رسول اللہ

زباں پر ہے تمہارا اسمِ اعظم یا رسول اللہ .... بہر لمحہ بہر ساعت بہر دم یا رسول اللہ

نظامِ زندگی ہے میرا برہم یا رسول اللہ .... خوشی کا کیجئے ساماں فراہم یا رسول اللہ

تمہارے زیبِ سر لولاک کا ہے تاج لا ثانی .... کہ تم ہو باعثِ ایجادِ عالم یا رسول اللہ

تمہاری شان دنیا میں مقدم بھی موخر بھی .... کہ تم ہو رشکِ عیسیٰؑ فخرِ آدمؑ یا رسول اللہ

تمہارے عشق کے غم کا ہے جس دل میں بھی سرمایہ .... ہزاروں غم بھی ہوں اُس کو تو کیا غم یا رسول اللہ

یہی تسکینِ دل بھی ہے یہی ہے راحتِ جاں بھی .... تمہارا ذکر جس لب پر ہے پیہم یا رسول اللہ

تمہاری ذاتِ اقدس ہے نگاہِ ہر دو عالم میں .... مکرم یا رسول اللہ معظم یا رسول اللہ

بہارِ باغِ طیبہ کے یہ نظارے نظر افروز .... نگاہوں میں ہے حیرانی کا عالم یا رسول اللہ

خدا کے نور سے تم کب جدا ہو فرق اتنا ہے .... تمہارا نور ہے نورِ مجسم یا رسول اللہ

تمہارے در سے سر ٹکراؤں گا جان اپنی دیدوں گا .... یہی ہے عزم میرا عزمِ محکم یا رسول اللہ

علاج دردِ پنہاں کیجئے بیمارِ فرقت کا .... کہ تم ہو راز ہائے دل کے محرم یا رسول اللہ

بلندی پر ہے میری سکنانِ عرش کو سکتہ .... تمہارے در پہ میں نے سر کیا خم یا رسول اللہ

تمہارا ساغر دیدار جس میکش کو مل جائے .... نہ دیکھے عمر بھر وہ ساغر جسم یا رسول اللہ

تقاضا ہے کہ دیکھوں روضۂ پرنور کے جلوے .... تمہارے ہجر میں آنکھیں ہیں پرنم یا رسول اللہ

نعتِ پاک

از: حلمی فدائی باقوی

نورِ مجسم پیکرِ رحمت آپ ہیں بے شک جانِ اُمت
صلی اللہ علیہ وسلم

کون و مکاں کے باعث و نازش کس کو ملی ہے آپسی عظمت
صلی اللہ علیہ وسلم

چاند ہوا دو نیم اسی دم اُٹھی ذرا انگشتِ شہادت
صلی اللہ علیہ وسلم

کی ہے شہنشاہی میں فقیری چومے قدم شان و شوکت
صلی اللہ علیہ وسلم

پتھر کھا کر دینا دعائیں خلقِ احسن آپ کی عادت
صلی اللہ علیہ وسلم

مجبوروں کا ماویٰ و ملجا سب پہ برابر آپ کی شفقت
صلی اللہ علیہ وسلم

صاحب اسریٰ رب کے مقرب عرش رسا ہے آپ کی رفعت
صلی اللہ علیہ وسلم

شان انوکھی باتیں نرالی لب پہ تبسم جانِ حلاوت
صلی اللہ علیہ وسلم

تھاما کوئی جو آپ کا دامن مل گئی اس کو رب کی قربت
صلی اللہ علیہ وسلم

عام ہے سب پر آپ کا فیضان حلمی پر ہو چشمِ عنایت
صلی اللہ علیہ وسلم

پیشکش: محمد ضیاء عرف فاضل

نعت شریف

نتیجۂ فکر: افضل العلماء سید شاہ محمد نور عالم بخاری قادری

آستانۂ بخاریہ، صاحب مکان کڈپہ

نعت سرکار سنانے میں مزا ملتا ہے
ان کی محفل کو سجانے میں مزا ملتا ہے

پہلے ہم عشق محمد کا لگاتے ہیں شجر
پھر ثمر یاد کا پانے میں مزا ملتا ہے

الفت سرکار کونین کا سودا ہے مجھے
دل کا سرمایہ لگانے میں مزا ملتا ہے

شب اسریٰ کا جو ہے واقعہ ہر وقت کہوں
ذکر معراج سنانے میں مزا ملتا ہے

کسی گستاخ نبی کو نہیں رہنے دوں گا
دشمنِ دیں کو مٹانے میں مزہ ملتا ہے

وہ کسی اور سفر میں نہیں ملتا مجھ کو
شہر طیبہ کو جو جانے میں مزا ملتا ہے

خواہش نوؔر ہے یہ نعت لئے میں پہنچوں
روبرو ان کو سنانے میں مزا ملتا ہے

پیشکش

سید آمنہ بشیرہ فاطمہ

آستانۂ بخاریہ بخاریہ نگر، صاحب مکان کڈپہ

نعت نبی ﷺ

از: سید سراج الدین منیر حیدر آبادی

صدیقؓ کا دل قلبِ عمرؓ زورِ علیؓ دے
عثمانؓ کی حیا عشق بلالِؓ حبشی دے
بے تاب جگر تاب نظر عزم قوی دے
دیکھوں ترے محبوب کو وہ دیدہ وری دے
جس دیدۂ بینا پہ کھلے تیری حقیقت
اے خالق کل مجھ کو عطا کر وہی دیدے
وہ گوش عطا کر کہ سنوں نغمۂ وحدت
محروم سماعت کو پیامِ ازلی دے
کر مجھ کو عطا علم لدُنی کی بصیرت
پہچان سکوں خود کو وہ عرفان خودی دے
میں خاک عجم سے ہوں مگر اپنے کرم سے
منہ میں عجمی کے تو زبان عربی دے
جب جان ہی بخشی ہے تو اے خالق یکتا
چادر بھی کفن کے لئے طیبہ کی بنی دے
مانگی ہے دعا میں نے ندیم حبِّ نبی کی
اللہ مجھے حب نبی حب نبی دے
قسمت ہی سے ملتی ہے منؔیر عشق کی دولت
ارزاں ہے اگر جان بھی دے کر تو خریدے

پیش کش: سید علی احمد قادری کلیم حیدر آباد

نعت شریف

از: سید سراج الدین منیر حیدرآبادی

تھا یہی منشا ازل سے خالق ادوار کا
آپؐ کے پردے میں اپنی شان کے اظہار کا

کلمۂ طیب میں شامل نام یہ سرکار کا
دیکھئے کیا مرتبہ ہے احمد مختار کا

کس نے کھولا قفل ابجد عالم اسرار کا
کس کے دم سے دم ہے قائم ثابت وسیّار کا

حق سے واصل سب میں شامل عبد و رب میں رابطہ
مرحبا صد مرحبا رتبہ شہہ ابرار کا

شوق سے جبریل کو بھیجا بلانے کے لئے
منتظر تھا عرش پر رب العلی سرکار کا

گر نہ ہوتے آپ تو رخ موڑ سکتے تھے بھلا
تین سو تیرہ مجاہد لشکر جزار کا

ہر طرف دنیا میں حق کا بول بالا ہوگیا
آپ آئے زور ٹوٹا کفر پندار کا

اے شہہ ہردوسرا نظر کرم فرمایئے
کوئی بھی پرساں نہیں امت کے حال زار کا

منکرِ شانِ رسالت منکرِ شانِ خدا
سوچ لو کیا ہے نتیجہ جرئات انکار کا

نامہ اعمال میں جو کچھ ہے سب مٹ جائے گا
بے ادب یہ فیصلہ ہے قاھر و جبار کا

ہمسری کا کیا کرے گا کوئی دعوی اے منیؔر
مثل کیا سایہ نہ تھا اس مظہر انوار کا

سلام بحضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم

از: مولوی سید نیاز احمد جمالی آمریؔ
پرنسپال دارالعلوم جمالیہ۔ چنئی

تاجدارِ حرم تم پہ لاکھوں سلام
کردو ہم پہ کرم تم پہ لاکھوں سلام

دستِ انور تمہارا ہے ریشم صفت
پھول سے بھی نرم تم پہ لاکھوں سلام

دشمنوں کی بڑھیں حد سے مکاریاں
چار سو ہیں ستم تم پہ لاکھوں سلام

ہر طرف ہیں فسادات کی ظلمتیں
تم ہی کرنا رحم تم پہ لاکھوں سلام

آپکے شہر کی آپکی عمر کی
رب نے کھائی قسم تم پہ لاکھوں سلام

رات بھر یوں عبادت ہے کی آپ نے
پیر میں تھا ورم تم پہ لاکھوں سلام

اپنے اعمال پر ہم پشیمان ہیں
دل میں آئی شرم تم پہ لاکھوں سلام

ہو نیازیؔ مگن آپ کی یاد میں
زندگی ہو ختم تم پہ لاکھوں سلام

سالنامہ
اللطیف
ویلور
آستانۂ عالیہ قادریہ اقطابِ ویلور
دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور